CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

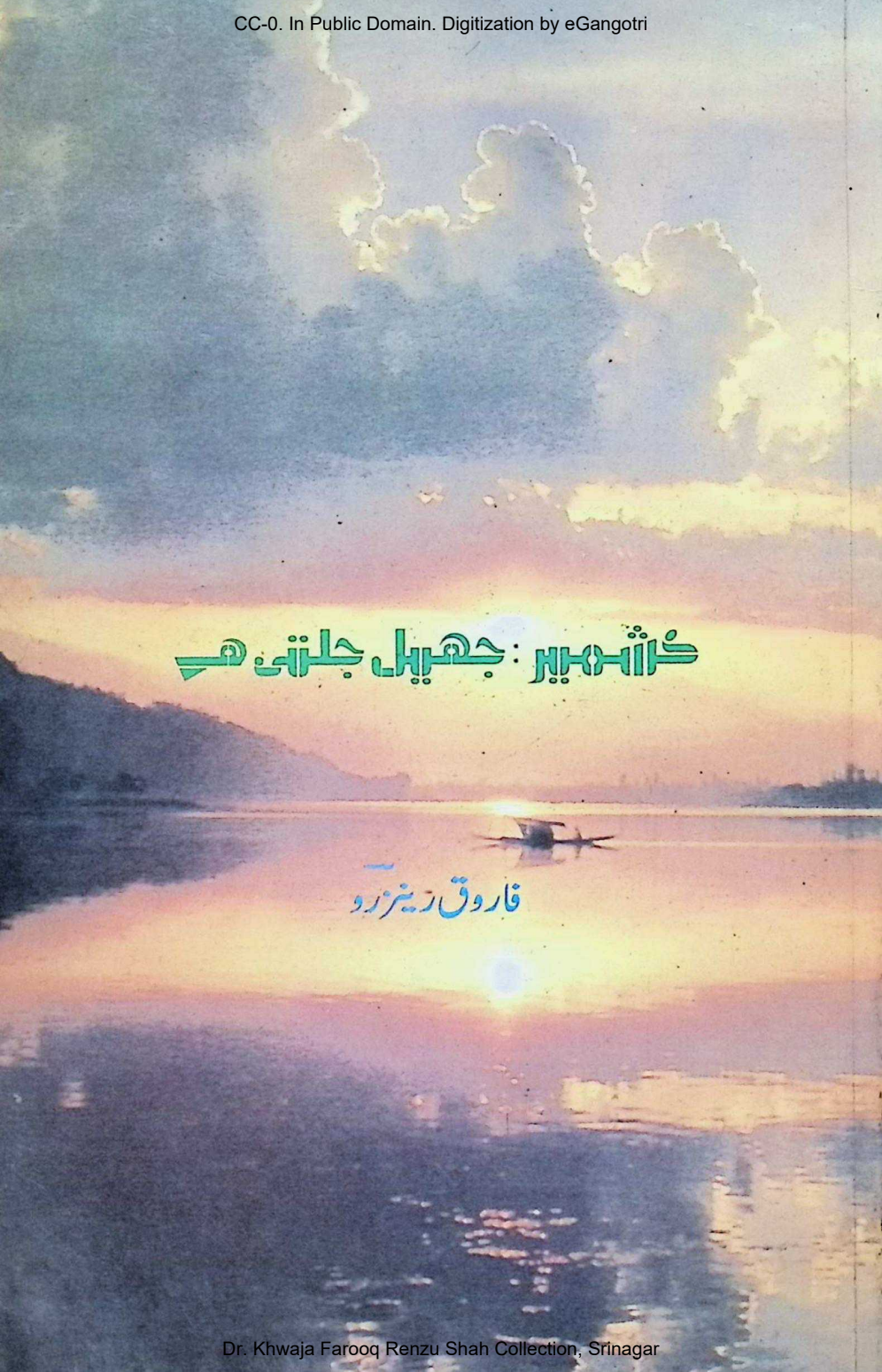

کشمیر : جھیل جلتی ہے

فاروق رینزرو

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک تعمیری اور سماجی ناول

کشمیر

جھیل جلتی ہے

فاروق رینزو

ناشر:
ویلی بک ہاؤس
یونیورسٹی روڈ حضرت بل سرینگر-۱۹۰۰۰۶

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جملہ حقوق محفوظ بحق پبلشر

❁ نام کتاب :- کشمیر جہاں جلتی ہے!

• مصنف :- فاروق رینزو

۲۵۴ - جواہر نگر، سرینگر کشمیر

• لیزر ٹائپ سیٹنگ :- لیزر ٹریک ۱۷۸۴ اکلاں محل - دریا گنج. نئی دہلی

• مطبوعہ :- الف ایم آفیسٹ پرنٹرس، دریا گنج. نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲

• آئی، ایس، بی، این :- ۸۱-۸۶۵۹۲-۰۳-۲

• سن اشاعت :- سنہ ۱۹۹۶ ع

• قیمت :- 290/= روپے

• اس ناول کے تمام کردار، مقامات اور ادارے فرضی ہیں!
اور ان کا کسی بھی شخص، جگہ، واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
کسی بھی فرد، مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی اتفاقیہ ہے اور اس کیلئے مصنف
کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

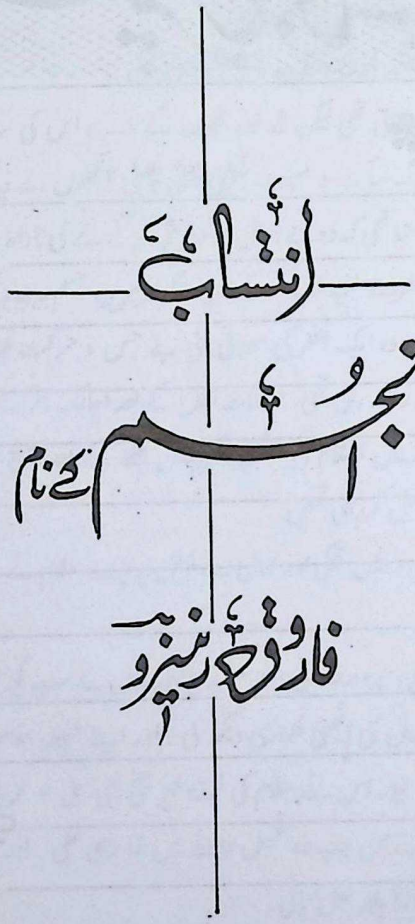

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کشمیر جھیل جلتی ہے

ابواب	صفحات
پہلا باب	۷
دوسرا باب	۱۳
تیسرا باب	۲۹
چوتھا باب	۳۷
پانچواں باب	۶۱
چھٹا باب	۶۹
ساتواں باب	۷۷
آٹھواں باب	۹۲
نواں باب	۱۰۳
دسواں باب	۱۲۰
گیارھواں باب	۱۲۸
بارھواں باب	۱۳۴
تیرھواں باب	۱۴۴
چودھواں باب	۱۵۸

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلا باب

جمال کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ زبان بھیڑیئے کی طرح باہر لٹک رہی تھی۔ سُرخ زبان سے ٹپکتی رال خون کی تپش سے سفید جھاگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

وہ پھر اژدھے کی طرح پھنکار اُٹھا۔

لوہے کی سفید کلہاڑی ایک بار پھر ہوا میں چمکی۔

ثُریا چیخنا چاہتی تھی لیکن ڈر اور خوف کے مارے اس کی سانس بھی باہر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ایک ہی جگہ ساکت و مبہوت کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ خوفناک منظر دیکھ رہی تھی۔ یہ خوف کی انتہا تھی کہ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گرنے کی جراءت بھی نہ کر سکی۔

پانی کے قطرے ٹپ ٹپ کر کے اس کے مرمریں جسم سے نیچے گر رہے تھے خوف اور دہشت کے عالم میں وہ ایک پتھر کی مورتی بنی بے حِس و حرکت جہاں تھی وہیں کھڑی انتقام کے اُن شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو سات سال۔ کے بعد اچانک بھڑک اُٹھے تھے۔

سات سال انتقام کی سلگتی آگ میں جلنے کے بعد آج جمال کی خونخوار آنکھیں مُسکرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

کلہاڑی پھر ہوا میں چمکی اور جمال نے فرش پر پڑے سلام کے بے جان جسم کا ایک اور حصہ الگ کر دیا۔

ثُریا کا حسین چہرہ برف کی مانند سفید پڑ گیا۔ اُس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اُس نے ہر بار جمال کی اٹھتی کلہاڑی دیکھ لی۔ اور اپنے شوہر سلام کے جسم کو ٹکڑوں میں تبدیل ہوتے دیکھ لیا۔ اس نے سلام کی لرزہ خیز چیخ بھی سُنی جو خوف سے بھرپور تھی۔ ثُریا نے یہ چیخ اس وقت سُنی جب وہ غُسل خانے میں نہا رہی تھی۔ اور یہ غیر متوقع چیخ سُنتے ہی حواس باختہ ہو کر فوراً باہر نکل پڑی۔

جمال کمرے کے بیچ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں لوہے کی کلہاڑی تھی اور وہ سلام کے جسم کو لکڑی کی طرح کاٹ رہا تھا۔

ثُریا جہاں پہنچی وہیں کھڑی جمال کو دیکھ رہی تھی۔ اُس جمال جس کو دیکھنے کے لئے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پچھلے سات سال سے اسکی آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔

جمال نے ثُریا کی طرف صرف ایک بار دیکھا۔ ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی اور پھر وہ دوبارہ سلام کا جسم کاٹنے لگا۔ وہ برابر اسے کاٹتا رہا اور ثریا ایک بے جان مورتی کی طرح ایک ہی جگہ تھم چکی تھی۔

سلام کے جسم سے خون اُبل اُبل کر ساری خواب گاہ میں پھیلنے لگا۔ یہ خون پھیلتے پھیلتے ثُریا کی طرف بڑھنے لگا۔ جب سلام کے گرم لہو کے قطروں نے ثُریا کے پیروں کو چھولیا اسکے سارے جسم میں سرد لہر دوڑنے لگی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ سارا جسم خزان رسیدہ پتے کی طرح ہلنے لگا۔ اسنے دوبارہ جمال کی طرف دیکھا۔ جمال کی آنکھیں ابھی تک اژدھے کی آنکھوں کی طرح جل رہی تھیں۔ خونخوار بھیڑیئے کی طرح اس کی زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔

ایک لمحے کے لئے ثُریا کے سامنے جمال کا سات سال پرانا معصوم چہرہ اُبھرنے لگا۔ وہ دلکش چہرہ جس میں مقناطیس کی سی کشش تھی۔ جو محبت اور عشق کی ایک پاکیزہ علامت تھا۔ اس چہرے کو دوبارہ دیکھنے کے لئے ثُریا ترس رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ جگہ جگہ وہ جمال کو تلاش کر رہی تھی۔ جھیل کے کناروں پر اکیلی بیٹھ کر وہ جمال کا عکس جھیل کی انگڑائیوں میں ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ معصوم چہرہ اچانک غائب ہوگیا۔ اور آج اس چہرے کا روپ ہی بدل چکا تھا۔

آج جمال ایک دہشت ناک درندہ بن چکا تھا۔ اس درندے کے ہاتھوں میں خون بھری کلہاڑی تھی۔ ثُریا کے شوہر سلام کا خون کلہاڑی کی تیز چمکتی دھار سے ابھی تک بہہ رہا تھا۔ جمال کی آنکھوں نے بھی خون کے ان ٹپکتے قطروں کو دیکھ لیا۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر زہریلی مُسکراہٹ اُبھری۔

"سلام کا خون۔" جمال پھنکار اٹھا۔

سارا کمرہ اُس کی پھنکار سُن کر دہل اٹھا۔ ثُریا کے جسم میں ایک بار پھر سرد لہر دوڑنے لگی اس کے جسم کے کانپنے کی رفتار تیز ہوگئی۔ اُس کے بعد پھر کمرے کی گھٹی گھٹی فضا میں غم آلود سکوت چھاگیا۔ صرف کبھی کبھی جمال کے ہاتھ میں تھمی کلہاڑی سے ٹپکنے والے خون کے قطروں کی مدہم آواز ثُریا کے صاف و شفاف و دُودھیا جسم سے پھسل پھسل کر گرنے والے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانی کے قطروں کی ہلکی آہٹیں اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش کرتی تھیں۔
گمبھیر خاموشی کے جال کو توڑنے والی ان مدہم اور ہلکی آوازوں نے ماحول کو زیادہ ہولناک اور لرزہ خیز بنایا تھا۔

جمال ابھی تک چمکتی کلہاڑی کی تیز دھار کو دیکھ رہا تھا۔ سلام کے جسم کے خون کے قطرے اس دھار پر لعل بدخشاں کے موتیوں کی مانند جھلملا رہے تھے۔ جمال کے مُنہ سے سُرخ زبان ابھی تک باہر لٹکی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کلہاڑی کو اپنے مُنہ کے قریب لانے لگا۔ کلہاڑی کے نزدیک آتے ہی جمال کے سُرخ ہونٹ مقناطیس کی طرح چمکتی کلہاڑی کی طرح چپک گئے۔ سرخ زبان خون کو چاٹنے لگی۔ جمال خون کو چاٹتا رہا اور ثُریا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سلام کے خون کو بھیڑیئے کی طرح چاٹتے چاٹتے جمال کی دہکتی آنکھیں اوپر کی طرف اُٹھیں۔ ہونٹ برابر خون کو چاٹ رہے تھے صرف جلتی آنکھیں ثُریا کے جسم پر مرکوز ہوئیں۔ جمال کی حرکت سے ثُریا کے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ اس کے سارے بدن پر جو کپکپی سی طاری ہوچکی تھی۔ وہ اچانک بند ہوگئی۔ یہ شاید جسم میں اُترتی ہوئی تیز نظروں کا اثر تھا کہ وہ بالکل ساکت ہوگئی۔ جمال کی شعلہ باز نگاہیں اس کے ایک ایک حصّہ پر دوڑ رہی تھیں۔ ان نگاہوں میں نہ آج شرم تھی نہ حیا۔ ایک بار پھر ثُریا کے تصور میں جمال کی وہ معصوم نظریں اُبھرنے لگیں۔ جو سات سال پہلے ثُریا کی بارگاہ حُسن میں سجدہ ریز ہوا کرتی تھیں وہ نگاہیں جو ثُریا کی مستی بھری آنکھوں میں اُلجھ کر محبت کے پر کیف گیت چھیڑ دیتی تھیں جنکی گہرائیاں ہمیشہ ثُریا کو اپنے آغوش میں سمیٹ لیا کرتی تھیں۔ ان آنکھوں میں پیار کے پھول مہکتے تھے اور محبت کے چراغ جلا کرتے تھے۔

"کتنی حسین ہیں تمہاری آنکھیں۔" ثُریا نے کئی بار یہ بات جمال سے کہی تھی۔

"تمہاری مقدس محبت نے میری آنکھوں کو حسین بنایا ہے۔ جب تک یہ محبت زندہ ہے میری آنکھیں حسین ہیں"۔ جمال ہر بار یہی جواب دیا کرتا تھا۔

لیکن آج جمال کی آنکھوں میں نفرت کا ایک بپھرا ہوا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نفرت کی لمبی لمبی موجیں ثُریا کے ساکت وجود سے ٹکرا رہی تھیں۔ آج جمال کی آنکھوں میں دوزخ کی تپش تھی اور اس دوزخ سے اُٹھنے والی چنگاریاں ثریا کے بدن میں سیسے کی طرح اُتر رہی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھیں۔

نفرت کے سمندر سے اُٹھتی ہوئی بپھری موجوں نے دوزخ سے نکلتی چنگاریوں نے ثُریا کے جسم کو ساکت کردیا۔ جیسے اسکے پھیپھڑوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ سانسوں کا اُتار چڑھاؤ ساکت ہوچکا ہو۔ دل کی دھڑکن بھی اب جیسے بند ہوگئی ہو۔

جمال کے لب کلہاڑی پر جھلملاتے خون کے قطروں پر جم چکے تھے اور اُس کی نگاہیں ثُریا کی چھاتی پر شفاف پانی کے ایک موٹے قطرے پر تھم گئیں۔ پانی کا وہ قطرہ بھی ثُریا کے جسم کی طرح ساکت تھا۔ شاید اس پانی کے قطرے نے اس کمرے کی خوفناک فضا کو بھانپ لیا تھا۔ جمال کی درندگی کو سمجھ لیا تھا۔ جمال کی نظریں پانی کے اُس قطرے میں اُترنے لگیں۔ اس پانی کے قطرے میں اس لاکٹ کا عکس صاف دکھائی دے رہا تھا جو ثُریا نے پہن رکھا تھا۔ ثُریا کے عریاں بدن پر اس لاکٹ کے سوا اور کوئی غیر شے نہ تھی جو کچھ بھی تھا وہ خدا کا دیا ہوا حُسن تھا۔ حسین مرمریں جسم صاف و شفاف بدن۔ لمبے لمبے کالے گیسو جو اس کی ایڑیوں کو چوم رہے تھے۔ ہرنی جیسی آنکھیں۔ بھرے بھرے گال۔ گلاب کی سُرخ پنکھڑیوں کی طرح نازک حسین ہونٹ۔ صراحی دار گردن۔ پُروقار قد۔ غرض وہ حُسن و شباب کی ایک جیتی جاگتی مثال تھی۔ جمال کی نگاہیں کافی دیر تک اس پانی کے قطرے پر جمی رہیں جس میں لاکٹ کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ اب جمال باضابطہ اس لاکٹ کی طرف دیکھنے لگا جو ثُریا کی صراحی دار گردن میں پڑا جھول رہا تھا کوئی خاص چمک نہیں تھی۔ اس لاکٹ میں۔ وہ لاکٹ تو معمولی پیتل کا لاکٹ تھا۔ لیکن جمال کی تیز نگاہیں اس لاکٹ پر جمی رہیں اور اس کے ہونٹ ابھی تک کلہاڑی پر پھیلے خون پر چپکے ہوئے تھے۔

ثُریا کے گلے میں لاکٹ کو برابر گھورتے ہوئے جمال نے کلہاڑی کو آہستہ سے نیچے لایا۔ اس کا مُنہ سُرخ ہوگیا تھا۔ اس نے کلہاڑی نیچے پھینکی۔ ہاتھوں سے ربڑ کے دستانے باہر نکالے ان کو اپنے جاکیٹ کی جیبوں میں ٹھونس دیا۔ آہستہ آہستہ وہ ثُریا کی جانب بڑھنے لگا۔

ثُریا جمال کو اپنے قریب آتے دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ہسٹیریا کی مریضہ کی طرح چیخنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بال نوچنا چاہتی تھی۔ اپنا مُنہ پیٹنا چاہتی تھی۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتی تھی۔ وہ زوردار قہقہے لگانا چاہتی تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس میں کچھ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنے کی سکت ہی ماؤف ہو چکی تھی ۔ اسکی تمام صلاحیتیں بیکار ہو گئی تھیں ۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک بے جان مورتی کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ وہ سنگ مرمر کی مورتی کی طرح ساکت تھی لیکن خوف ڈر اور دہشت کی وجہ سے اس کی معصوم ہرنی جیسی آنکھیں اُبل کر باہر آنے لگیں ۔

جمال آہستہ آہستہ ثُریا کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ اس کے قدم فرش پر پڑے سلام کی لاش کے ٹکڑوں کو روندھ رہے تھے ۔ ثُریا بھاگنا چاہتی تھی بڑی پھرتی اور بڑی تیزی کے ساتھ لیکن اس کے پاؤں تو ہلنے کا نام بھی نہیں لے رہے تھے ۔

جمال اس کے بالکل قریب پہنچا ۔ دونوں کے درمیان صرف جمال کے کپڑوں کی دیوار حائیل تھی ۔

ثُریا کو وہ دن یاد آئے جب جمال اُس کے اتنے قریب آتا تھا اور وہ اس کی گرم بانہوں میں موم کی طرح پگھل جاتی تھی ۔ جمال کی بانہوں میں سمٹ کر وہ ساری دنیا کو بھول جاتی تھی ۔ پھر وہ دونوں ہوا کے سنگ اُڑتے ہوئے خوشیوں اور مسرّتوں کی بلندیوں کو چھو لیتے تھے ۔ محبت کی بے پناہ گہرائیوں میں ڈوب جاتے تھے ۔ اچانک ایک جھٹکا لگا ۔ جمال نے ثُریا کی گردن میں ہاتھ ڈالا ۔

ثُریا کے مُنہ سے ایک سسکی بھی باہر نہ آسکی ۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمال کی طرف دیکھتی رہی ۔ جمال نے ایک دوسرا جھٹکا دے کر ثُریا کی گردن سے وہ لاکٹ الگ کر دیا ۔ گردن سے چھاتی تک کے اُبھار تک ایک لمبی خراش آئی ۔ جمال اس معمولی پیتل کے لاکٹ کو داھنے ہاتھ کی انگلی میں لٹکا کر ثُریا کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا ۔

ثُریا بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ کہہ نہ سکی ۔

" اُس لاکٹ کے لائق نہیں تھی تم ۔ تم ثُریا ۔ " جمال نے سرگوشی میں کہا ۔ لیکن یہ سرگوشی اژدھے کی دوسری پھنکار تھی ۔

یہ کہہ کر جمال نے لاکٹ جیب میں رکھا اور پھرتی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھنے لگا ۔ دروازے پر پہنچ کر وہ دوبارہ رک گیا ۔ پیچھے مڑ کر ثُریا کی طرف دیکھا اور پھر سرعت کے ساتھ باہر نکلا ۔

ثُریا ابھی تک اپنی جگہ ساکت تھی ۔ گردن کے زخم سے لہو بہہ بہہ کر نیچے آرہا تھا لہو

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی ایک لمبی دھار نے ثُریا کے جسم کے بیچ ایک لمبی لکیر بنا دی۔ اس لہو کی لکیر نے ثُریا کے جسم کو بالکل دو خصوں میں تقسیم کر دیا۔ تھوڑی دیر تک وہ دروازے کے ہلتے کواڑ کو دیکھتی رہی۔

اچانک ثُریا کے مُنہ سے ایک دلخراش چیخ اُبھری اور وہ دھڑام سے فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا باب

خواجہ طاروقی کی شاندار کوٹھی "خواجہ منزل کی شان اور حشمت پُروقار" عمارت کے روپ میں نمایاں طور پر چھلک رہی تھی۔ کوٹھی کے ارد گرد کافی بڑا لان تھا۔ جو پتھروں اور اینٹوں سے بنی چار دیواری سے محدود تھا۔ خواجہ طاروقی شہر کی ایک مشہور و معروف اور قابل احترام شخصیت تھی۔ آج رشید اور سلیمہ دونوں اس معزز شخصیت کے پاس مدد مانگنے جارہے تھے۔ دونوں کے ارادے پکے تھے۔ دونوں نے بغاوت کا علم بلند کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ خواجہ طاروقی اس علم کو بلند کرنے میں ان کی مدد کرلیں گے۔ رشید اور سلیمہ کی بغاوت تھی سماج کی اونچ نیچ کے خلاف۔ امیری اور غریبی کے درمیان کھڑی نفرت کی دیوار کے خلاف۔ ان لوگوں کے خلاف جو دولت کا زہریلا خنجر ہاتھ میں لے کر محبت کا خون کرتے ہیں۔ دولت کے ٹھیکداروں نے سلیمہ اور رشید کی محبت کا خون کرنا چاہا لیکن دونوں نے ان ٹھیکداروں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ اُن دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنہیں یقین تھا کہ خواجہ اُن دونوں کو نکاح کے بندھنوں میں باندھ کر محبت کی بڑائی اور خُدا کی خُدائی کا ثبوت پیش کرلیں گے۔

سلیمہ سے رشید کی ملاقات کالج میں آج سے سات سال پہلے ہوئی تھی۔ سلیمہ بہت چنچل اور تیز لڑکی تھی اور رشید کالج کا سب سے زیادہ خاموش اور شرمیلا لڑکا تھا سلیمہ وومنز کالج کی طالبہ تھی اور رشید ایس۔ پی کالج میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں اسکولوں اور کالجوں میں طالب علموں کا انتشار اضطراب نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا سارا نظام گھناؤنا ہوچکا تھا آئے دن ہنگامے اور دنگے فساد ہوا کرتے تھے۔ ہر روز کسی نہ کسی مسئلے پر اسٹرائیک ہوتی تھی پرنسپل کی مار پیٹائی۔ پروفیسروں کے خلاف ناشائستہ زبان عمارتوں کو نظر آتش کرنا۔ ٹریفک کا نظام درہم برہم کرنا روز کا معمول بن چکا تھا طالب علم گھناؤنے نظام کے خلاف ہوچکے تھے۔ لڑکوں کے کالج کا اثر لڑکیوں کے کالج پر بھی پڑا تھا۔ کبھی کبھی ہنگاموں میں دونوں کالجوں کے لڑکے اور لڑکیاں شریک ہوتے تھے۔ رشید اس شور و ہنگامے سے دور ہی رہتا تھا۔ وہ فطرت سے ہی امن پسند طالب علم تھا اور طلبہ کے مظاہروں میں شریک ہونا وہ اچھا نہیں سمجھتا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک دن کالج میں ایک بہت بڑا ہنگامہ ہوا۔ وومنز کالج کے نام کسی وزیر کے نام پر رکھا گیا جو کہ طلبہ و طالبات کے مرضی کے خلاف تھا دونوں کالجوں کے لڑکیاں اور لڑکیاں مشتعل ہوگئے وومنز کالج اور ایس۔ پی کالج کے درمیان صرف ایک اینٹوں کی دیوار کھڑی تھی۔ ایس پی کالج کے لڑکوں نے یہ دیوار مسمار کردی دیوار کے مسمار ہوتے ہی زنانہ کالج کی لڑکیاں بھی مظاہروں میں شریک ہوئیں۔ رشید دور ایک کھمبے کے ساتھ ٹیک لگائے خاموشی سے ان مشتعل طلبہ و طالبات کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کالج سے باہر نکلے لیکن باہر پولیس لڑکوں کو دیکھتے ہی گرفتار کر رہی تھی۔ گرفتاری کے ڈر سے وہ اپنی جگہ کھڑا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ لڑکے اور لڑکیاں نعرے لگا رہے تھے۔ چیخ رہے تھے شور مچا رہے تھے۔ کالج کی عمارتوں پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ کسی طالب علم نے پیٹرول کا ٹین کہیں سے لاکر لیبارٹری کی عمارت پر پھینکا اور اس کو دیا سلائی دکھائی لیبارٹری جل کر خاکستر ہوگئی اور طالب علموں نے خوش ہوکر تالیاں بجائیں۔ پولیس نے دونوں کالجوں کا محاصرہ کیا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں مل کر پولیس پر پتھراؤ کر رہے تھے۔ پولیس جواب میں آنسو لانے والی گیس کے گولے کالج کے اندر پھینک رہی تھی۔ چند منچلے گولے پھٹنے سے پہلے ہی واپس پولیس پر پھینک دیتے تھے۔

"کاش یہ بہادری ملک کی تعمیر کے لئے استعمال کی جاتی۔ اپنے کشمیر کی بھلائی کے لئے یہ خون کے چند قطرے بہائے جاتے۔" رشید اس ہنگامے کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

رشید ابھی سوچ رہا تھا کہ ایک چنچل پھرتیلی۔ خوب صورت لڑکی کی نظر رشید پر پڑی۔ وہ لڑکی چند لڑکوں اور لڑکیوں کے بیچ میں کھڑی زور سے نعرے بلند کر رہی تھی اس کا دوپٹہ سینے سے سرک چکا تھا۔ گال سیب کی طرح لال ہوچکے تھے۔ روشن ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے۔ اس کا بدن بھرا ہوا تھا اور قد لمبا۔ وہ دور سے ہی حُسن و شباب کی ایک جیتی جاگتی تصویر دکھائی دے رہی تھی رشید کو الگ تھلگ ایک تماشائی کی طرح اس ہنگامے کا نظارہ کرتے ہوئے دیکھ کر اس لڑکی کے ماتھے پر بھی ناراضگی کی لکیریں اُبھریں۔ وہ اُس کے قریب آگئی۔ رشید بوکھلا گیا۔

"اے لڑکے یوں اس طرح بزدلوں کی طرح تماشائی دیکھتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ کیا تم ہمارے ساتھ ان مظاہروں میں شامل ہوکر اپنی مردانگی کا ثبوت نہیں دے سکتے۔؟ اگر تم

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرد نہیں ہو تو یہ لو چوڑیاں پہن لو اور شرم سے مُنہ چھُپا کر اپنے گھر جاؤ۔" اس لڑکی نے سچ مچ اپنی چوڑیاں نکال کر رشید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

رشید نے اپنی بھرپور نگاہیں اس لڑکی کے سراپا پر ڈالیں۔ اس لڑکی کا چہرہ تمتما رہا تھا اور اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں معصومیت چھپی ہوئی تھی۔ اس کا خوبصورتی کا راز اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں چھپا ہوا تھا۔ رشید دل ہی دل اس کی خوبصورتی کی تعریفیں کرنے لگا۔

"کیا تمہارے مُنہ میں زبان نہیں ہے؟ گونگے ہو کیا؟ جواب دینا نہیں جانتے۔" رشید کی خاموشی سے اس لڑکی کی ناراضگی میں اضافہ ہو گیا۔ کالج کا ایک لڑکا جو رشید کے ہی کلاس میں پڑھتا تھا اس لڑکی کے پاس آکر اس سے کہنے لگا۔

"سلیمہ جی میں اس لڑکے کو جانتا ہوں۔ یہ بیچارہ ہمارے کالج کا سب سے زیادہ گُم سم اور خاموش طبع لڑکا ہے۔ نہ اس کا کوئی دوست ہے نہ یہ کسی کا دوست ہے۔ صرف کتابوں کا کیڑا ہے۔ دن رات پڑھتا رہتا ہے اس لڑکے سے کوئی بھی ہنگامے کی توقع نہیں رکھ سکتا۔"

رشید سلیمہ کو سمجھانا چاہتا تھا کہ ان کے ہنگامے کا مقصد وقت ضائع کرنے کے بغیر کچھ نہیں ہے۔ لیکن اس کے مُنہ سے کوئی بات بھی نہ نکل سکی۔

"اوہ بزدل لڑکا۔ ایڈیٹ۔ ایسے لڑکوں سے مجھے نفرت ہے۔" سلیمہ نے رشید کی طرف عجیب نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

سلیمہ کو ڈھونڈتے ہوئے ایک اور خوبصورت حسینہ وہاں پہنچی۔

"سلیمہ میں جمال کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔" وہ سلیمہ سے کہنے لگی رشید نے بھی پہلی دفعہ سلیمہ کا نام سُن لیا۔

"ثُریا میں نے جمال کو ابھی دیکھا تھا۔" سلیمہ نے جواب دیا۔

میں یہاں ہوں۔ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔" جمال ان کے قریب آگیا۔

"آؤ ہم چلتے ہیں۔ اپنی مخصوص جگہ پر۔ جھیل کے کنارے۔" جمال نے ثُریا سے کہا۔

"یہاں ہنگامے ہو رہے ہیں۔ باہر پولیس کا پہرہ ہے۔ اس وقت کیسے نکل سکتے ہیں۔" ثُریا نے جمال سے کہا۔

"جمال کے راستے کوئی روک نہیں سکتا۔" جمال نے یہ کہہ کر ثُریا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ثُریا کو کھینچتے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئے پولیس کے بیچ سے باہر نکل گیا۔ چند پولیس کے سپاہیوں نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن جمال کے چند زوردار مکوں نے انہیں ڈھیر کردیا۔ جمال اور ثُریا پولیس کا گھیراؤ توڑ کر باہر نکل گئے۔

سلیمہ اپنی جگہ کھڑی داؤ بھری نگاہوں سے جمال کی جراءت کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ایسے لڑکے پسند تھے اور وہ ثُریا کی قسمت پر رشک کرنے لگی کہ اس کا محبوب ایسا ہے رشید بھی اپنی جگہ کھڑا اپنے کلاس فیلو جمال کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اچانک ایک شور بلند ہوا۔ چیخوں اور چلانے کی آوازیں اُبھریں۔ پولیس جو ابھی تک کالج کا گھیراؤ کئے ہوئے تھی کالج کے اندر داخل ہوئی۔ پولیس کو لاٹھی چارج کا حکم ملا تھا۔

پولیس کے ڈنڈے لڑکے اور لڑکیوں پر بے تحاشہ برسنے لگے ایک شور برپا تھا آنسو گیس کے دھوئیں میں یہ نظر ہی نہیں آرہا تھا کہ کون کہاں جارہا ہے۔

سلیمہ کے ساتھ جو لڑکے اور لڑکیاں تھیں وہ سب بھاگ نکلے سلیمہ بھی بھاگنے لگی لیکن وہ ایک پتھر سے ٹکرا کر دھڑام سے نیچے گر پڑی۔ رشید ابھی بھاگنے کے پرتوں ہی رہا تھا کہ اُس نے سلیمہ کو گرتے ہوئے دیکھا۔ رشید اسے سہارا دینے کے لئے اس کے قریب جانے لگا۔ رشید کو پہنچنے ہی پہلے وہاں پولیس کا ایک سپاہی پہنچا اس نے اپنا ڈنڈا اوپر اُٹھا کر سلیمہ پر مارنا چاہا۔

"نہیں۔" رشید کے مُنہ سے ایک تیز چیخ نکلی۔

ابھی پولیس کا ڈنڈا ہوا میں ہی تھا کہ رشید نے وہ پکڑ لیا اس نے وہ ڈنڈا سپاہی کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ پھر اس ڈنڈے کو دور پھینکا۔ رشید سلیمہ کو سہارا دیکر اوپر اُٹھانے لگا۔ اتنی دیر میں بہت سارے پولیس کے سپاہی وہاں پہنچے اور رشید کو بے تحاشہ پیٹنے لگے۔ چند ڈنڈے سلیمہ پر بھی پڑنے والے تھے لیکن رشید نے سلیمہ کے کومل جسم کی خاطر اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈھال بنادیا۔ ڈنڈوں کی بارش رشید پر ہوئی وہ لہولہان ہوگیا اور سلیمہ بالکل محفوظ رہی۔

ڈی۔ سی نے لاٹھی چارج کو بند کرنے کا سگنل دے دیا۔ رشید کا سر پھٹ چکا تھا اس کے سر اور جسم کے دوسرے حصوں سے بہنے والے خون سے سلیمہ بھی بھیگ چکی تھی فوارے کی طرح خون اُچھل اُچھل کر باہر آرہا تھا۔

سلیمہ زخمی رشید کو دیکھ کر دہل اُٹھی۔ اس نے اپنا دوپٹہ فوراً رشید کے سر کے زخم کے اوپر

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زور سے باندھا۔ رشید کو ایمبولینس میں ہاسپٹل پہونچایا گیا اور سلیمہ اس کے ساتھ تھی وہ ایمبولینس کی لمبی سیٹ پر ایک طرف بیٹھی تھی اور اس نے رشید کا زخمی سر اپنی گود میں رکھا تھا ایک ہاتھ سے اپنا دوپٹہ زخم کے اوپر زور سے دبا کے رکھا تھا تاکہ زیادہ خون باہر نہ آئے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اس کا ماتھا سہلا رہی تھی۔

رشید نے جس طرح سلیمہ کی حفاظت کی تھی اس سے سلیمہ کا سارا وجود دہل گیا۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی اپنے اُس بُرے رویئے پر پچھتانے لگی جس کا مظاہرہ تھوڑی دیر پہلے اس نے رشید کے سامنے کیا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ دل کے اندرونی خانوں سے رشید کی صحت یابی اور سلامتی کی دُعائیں مانگنے لگی۔ وہ رشید کے پاؤں پر گر کر اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ ہاسپٹل پہنچتے ہی رشید کو ٹھیٹر میں پہنچایا گیا۔ اس کا زخم سی لیا گیا۔ اور ڈاکٹروں نے اسے ہاسپٹل میں ہی آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹروں نے رشید کی دوائی کے بارے میں سلیمہ کو ضروری ہدایات دیں۔ کیونکہ رشید کے ساتھ سلیمہ کے بغیر اور کوئی نہ تھا ڈاکٹر سلیمہ کو رشید کی منگیتر سمجھ بیٹھے۔ رشید کو ہاسپٹل کے ایک ایمرجنسی روم میں پہنچایا گیا۔ سفید وردی میں ملبوس نرس نے اس کے بازو میں انجکشن لگایا۔ رشید ابھی تک بے ہوش ہی تھا۔

سلیمہ ٹکٹکی باندھ کر رشید کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک رشید نے سلیمہ سے ایک بات بھی نہ کہی تھی اور سلیمہ کے تمام وجود کو اپنا لیا تھا۔

آہستہ آہستہ رشید کو ہوش آنے لگا۔ وہ اپنی آنکھیں کھولنے لگا وہ عجیب نگاہوں سے سلیمہ کی طرف عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ یاد کرنے لگا کہ اس کے چہرے کو اُس نے پہلے کہیں دیکھا ہے۔

"کیا آپ نے مجھے پہچان لیا۔؟" سلیمہ اس کے قریب آکر اس سے کہنے لگی۔

"ہاں۔ آپ کا نام شاید سلیمہ ہے۔ آپ کو میرا ہنگاموں سے دور رہنا پسند نہیں آیا تھا۔" رشید نے اس کو جواب دیا۔

"رشید صاحب آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے آپ کی بے عزتی نہیں کرنی چاہئیے تھی آپ نے میرے خاطر اپنے آپ کو خطرے میں جھونک دیا۔ میں نے آپ کے خلاف بول کر اپنی گری ذہنیت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مجھے بچایا جن لڑکوں کو

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں بہادر سمجھتی تھی وہ سب مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے اور جس کو میں بزدل کہا اس نے اپنی بہادری کا ثبوت دیا۔ آپ نے مجھے زندگی کا ایک نیا پیغام دیا۔ ایک نیا سبق سکھایا۔ میں خود کو آپ کے سامنے ایک مجرم محسوس کر رہی ہوں۔ جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گے مجھے چین نہیں آئے گا۔" سلیمہ نے اُس سے کہا۔

رشید نے سلیمہ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ وہ خوبصورتی کی ایک زندہ جاوید حقیقت تھی سلیمہ کے حُسن۔ اس کی دلکش ادائیں۔ اُس کے باتوں کا انداز۔ اُس کے اُٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ رشید پر ایک جادو کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اس طرح رشید کے ساتھ بات کی تھی۔ اسے یوں لگا جیسی سلیمہ اس کی اپنی ہے۔ اپنی سلیمہ جیسے وہ اس کو صدیوں سے جانتا ہو۔ لیکن رشید کو فوراً احساس ہونے لگا کہ جو جذبہ اس کے دل میں سلیمہ کی خاطر اُبھر رہا ہے اسے فوراً کچل دینا چاہئیے۔ وہ کسی بھی طرح سلیمہ کے قابل نہیں۔

رشید کی زندگی دُکھوں اور مصیبتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ اس نے جب سے اپنی آنکھیں کھولیں تو اس کی نظریں بوسیدہ جھونپڑی کی گندی اور میلی کچیلی دیواروں میں الجھی رہیں۔ رشید کا باپ غلام رسول ایک معمولی چپراسی تھا۔ اس کی عمر اب بڑھاپے کی آخری منزلوں پر پہونچ چکی تھی۔ رشید کی ماں کو ایک مہلک بیماری نے دبوچ لیا تھا۔ بوڑھا غلام رسول جو کچھ کماتا وہ اس کے لئے دوائی خریدنے میں خرچ ہوتا تھا۔ غلام رسول شہر کے ایک دوا فروش ڈاکٹر جیلانی کے ہاں پچھلے تیس سال سے کام کر رہا تھا لیکن اپنی بیوی کے لئے دوائی اس نے ہمیشہ دوسری جگہ سے خریدی۔ غلام رسول اس کی بیوی اور ان کا چھوٹا لڑکا رشید کبھی کبھی سوکھی روٹی سے محروم رہتے تھے۔ کبھی کبھی انکے گھر کا چولھا کئی دنوں تک جلتا نہیں تھا۔ اس غربت بھوک اور ناداری کے باوجود غلام رسول نے اپنے بیٹے رشید کو ایک سرکاری اسکول میں داخل کیا تھا۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر رشید اسکول جاتا تھا۔ اور چھٹی ہونے کے فوراً بعد اپنی بیمار ماں کی تیمارداری کیا کرتا تھا۔ اس طرح اس کا بچپن ڈھل گیا اور اُس نے لڑکپن میں قدم رکھا۔

ایک دن اچانک اس معصوم لڑکے کی زندگی میں ایک بڑا انقلاب آگیا۔ اس دن رشید میٹرک کے امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کر کے کامیاب ہوا۔ وہ یہ خبر اپنی بیمار ماں کو سُنا کر اسکے زرد

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیمار چہرے پر مسکراہٹ کی لکیریں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جلدی جلدی گھر پہنچا۔ اور جھونپڑی کی دہلیز پر پہنچ کر ہی اپنی ماں کو آوازیں دیں۔ لیکن جب وہ جھونپڑی کے اندر داخل ہوا تو اسنے ماں کو فرش پر تڑپتے اور کراہتے ہوئے پایا۔ اس کا باپ غلام رسول اس کی ماں کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دینے کی کوشیش کر رہا تھا۔

"ماں۔!" رشید ماں کو اس غیر معمولی انداز میں تڑپتے اور کراہتے ہوئے دیکھ کر چیخ اٹھا۔

"رشید۔ رشید۔ میرے پاس آجاؤ۔ آؤ میرے پاس۔" رشید کو دیکھ کر ماں کے چہرے پر سکون کی روشنی پھیلنے لگی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر رشید کا چہرہ پکڑ لیا۔ اپنے منہ کے قریب لاکر وہ رشید کو بے تحاشہ چومنے لگی۔

"رشید۔ رشید۔ میرے بیٹے۔" ماں نے یہ کہہ کر آخری ہچکی لی رشید کی ماں مر گئی۔ ماں کے مرنے سے پہلے ڈاکٹر نے غلام رسول کو ایک لمبا چوڑا نسخہ دیا تھا۔ لیکن اس دن غلام رسول کے پاس وہ دوائیاں خریدنے کے لئے پیسے نہ تھے جو اس کی بیوی کی زندگی بچاسکتے۔ وہ مر گئی۔ اور غلام رسول بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"بابا۔ بابا۔ ماں مر گئی۔ بابا۔" رشید اپنے بوڑھے باپ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ روتا رہا اور بوڑھا غلام رسول اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹا ہر غریب کی قسمت میں ہی ایسی ہی موت لکھی ہے۔ ہمکو بھی ایسے ہی مرنا ہے۔ یہ سب ہمارے مُقدر کا حصّہ ہے اور مقدر کے خلاف ہم کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہماری پیدائش کے وقت ہی ہمارے ماتھے پر غربت کی مہر ثبت کی جاتی ہے۔ اور اس مہر کو ہم کبھی مٹا نہیں سکتے۔ ہم ایک دوسرے کا ماتھا دیکھ کر ان کی حیثیت کا اندازہ لگاتے ہیں غریب کو صرف غریب ہی سہارا دے سکتا ہے۔ میں نے ایک غریب مزدور کے ہاں جنم لیا اور تمہاری ماں بھی غربت کی مہر اپنے ماتھے پر لگائے میری زندگی میں آگئی۔ ہم دونوں کی شادی ہوگئی اور دوسرے دن ہم بھوکے ہی سو گئے کیونکہ میں شادی کے دن کام پر نہیں گیا تھا۔ یہ غربت کی دین ہے۔ تڑپنا ہماری قسمت۔ رونا ہماری حقیقت۔ جو روٹی کا نوالہ ہماری آنکھوں کے آنسوؤں سے تر نہیں ہوتا وہ ہماری بھوک مٹا نہیں سکتا۔ بیٹا اس دنیا میں جس کے پاس بھی روپیہ آگیا اس نے غربت سے نفرت کی وہ ہیرے جواہرات کا تاج پہن کر اپنے ماتھے پر لگی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غربت کی مہر کو چھپاتا پھرتا ہے۔ اگر اسے پھر کوئی آدمی ماتھے پر غربت کی مہر لگائے راستے پر مل جائے تو وہ اس کا سلام بھی قبول کرنا پسند نہیں کرتا۔ غریب کے سلام کو بھیک کی دُھائی سمجھا جاتا ہے۔

غربت تو آدمی کی قسمت ہے دولت کا کام ہے غربت سے نفرت کرنا اور جس نے بھی دولت حاصل کی اس نے غریب کو زہریلا سانپ بن کر ڈس لیا۔ امیر لوگ زندگی کا سکون۔ زندگی کی خوشیاں۔ دولت بینک بیلنس۔ سونے چاندی۔ ہیرے جواہرات میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اور غریب دُنیا کی مصیبتوں۔ پریشانیوں سے تنگ آکر اپنا سکھ چین موت کی گود میں ہی حاصل کرتا ہے۔ جس طرح تمہاری ماں کو اب سکون مل گیا ہوگا۔ میرے بیٹے رشید میں نے تمہاری ماں کو بچانے کی بہت کوشش کی تھی۔ آج صبح سویرے ڈاکٹر نے مجھے ایک لمبا چوڑا نسخہ دیا تھا۔ میرے پاس وہ دوائیں خریدنے کے لئے پیسے نہ تھے اس لئے میں نے شہر کے سرمایہ دار دوائی فروش جیلانی صاحب کو جس کے ہاں میں چپراسی کا کام کر رہا ہوں۔ یہ نسخہ دکھایا اور روتے روتے اُس سے یہ التجا کی کہ وہ مجھے ساری دوائیں اُدھار دے دے۔ جانتے ہو جواب میں اس نے کیا کہا۔ میرے بیٹے۔ اس نے مجھے نوکری سے نکال دیا اس ڈر سے کہیں میں وہ دوائیں اس کی دکان سے چُرا کر نہ لے آؤں۔ بڑے خود غرض ہوتے ہیں یہ لوگ۔" بوڑھا غلام رسول رشید سے کہہ رہا تھا۔

رشید عجیب آنکھوں سے اپنے بوڑھے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ بوڑھا باپ دوبارہ اپنی بیوی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

"رشید آج تمہاری ماں مر گئی۔ میرے جسم کا آدھا حصہ مجھ سے کٹ گیا۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں چند گھڑیوں کا مہمان ہوں۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو اور اب دنیا میں خود تمہیں اپنے لئے جینا ہے۔ خود اپنا مقام تلاش کرنا ہے۔ اور ہاں بیٹے اگر زندگی میں کبھی تمہیں اپنی ماں مل گئی تو اس کے چہرے پر تھوکنا۔ ہاں رشید تھوکنا۔ ضرور تھوکنا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ وہ موقعہ ضرور آئے گا۔ ضرور آئے گا۔" یہ کہتے کہتے رشید کا باپ جذباتی ہوگیا وہ ہنس بھی رہا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بھی بہہ رہا تھا۔

"بابا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ تم میری ماں کے بارے میں کیا کہہ رہے ہو۔" رشید نے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اپنے باپ کو تھام کر وہ دوبارہ کہنے لگا۔

"بابا تم یہیں ٹھیرو۔ میں محلے والوں کو بلاتا ہوں تاکہ میری ماں کی لاش کو قبرستان تک پہنچائیں۔" معصوم رشید نے ہمت سے کام لیا۔

"نہیں رشید۔ نہیں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ اب تم کو ایک نہیں بلکہ دو لاشیں دفن کرنی ہونگی۔ میری بیوی کی اور میری۔ یہ دیکھو میرے سینے میں درد ہورہا ہے۔ اوہ۔ میں بس چند لمحوں کا مہمان ہوں"۔ رشید کا باپ غلام رسول اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

نہیں۔ بابا۔ نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" رشید چیخا۔

"رشید۔ سنو۔ میں تمہیں ایک راز بتاتا ہوں۔ ایک ایسا راز جو میں نے اور میری بیوی نے ۱۴ سال سے اپنے سینے میں چھپا رکھا تھا۔ وہ راز جس کو سُن کر تم کو اچنبھا ہوگا۔ لیکن میں مرنے سے پہلے یہ فرض سمجھتا ہوں کہ میں تمہیں تمہاری حقیقت بتادوں۔" بوڑھا غلام رسول اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہنے لگا۔ اُس کے عرق آلود چہرے کی جھریاں اکھڑے سانس اس کے دل میں چھپے دردناک کرب ظاہر کر رہے تھے۔

"نہیں۔ بابا۔ میں کچھ سُننا نہیں چاہتا۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں ہوگا دیکھو میری ماں کی لاش مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں تمہارا سہارا بنوں۔"

"بابا۔ بابا۔" رشید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"رشید۔ یہ تمہاری اپنی ماں کی لاش نہیں اور میں تمہارا اپنا باپ نہیں ہوں۔"

غلام رسول نے یہ راز جلدی سے اُگل دیا۔

"بابا۔"! رشید پر جیسے ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

"ہاں۔ رشید یہ سچ ہے۔ ہر حقیقت کو اپنی جگہ ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اس کو ہم جھوٹ کے لبادے میں یا خاموشی کی پناہ گاہوں میں زیادہ دیر چھپا نہیں سکتے۔ کبھی کبھی یہ حقیقت زہریلی ناگن کی طرح خاموشی سے سرک کر باہر آتی ہے اور ہمیں ڈس لیتی ہے۔ رشید میں نے تمہیں جو حقیقت بتادی اس کو تمہیں برداشت کرنا ہی ہوگا کیونکہ اس کو بیان کرنے سے میری روح ہلکی ہوگئی۔" بوڑھے غلام رسول کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ اسنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے کو تھامے رکھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"بابا۔ نہیں بابا۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں تم دونوں کا بیٹا ہوں۔ ماں کے مرنے کے بعد تم الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے ہو۔ تم مجھ سے جھوٹ کہہ رہے ہو۔ کہہ دو بابا کہہ دو کہ تم نے سب کچھ جھوٹ کہا۔" رشید کی آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا امڈ آیا۔

"نہیں بیٹا۔ میں ابھی اپنے حواس میں ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ بات زندگی میں تمہیں ہر وقت اور ہر لمحہ پریشان کرے گی لیکن تم اس بات کو بھی یاد کرنا کہ ہم نے تم کو اپنے بیٹے کی طرح پالا۔ تم کو تمہاری اپنی ماں نے قتل کر کے پھینک دیا تھا۔ لیکن تمہاری زندگی میں ہمیں اپنی زندگی نظر آئی۔" غلام رسول کہہ رہا تھا۔

"بابا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ مجھ سے کچھ مت کہو۔ میرے سامنے تو تم میرے اپنے ہو۔ میری ماں مرگئی۔ بابا۔ میری ماں مرگئی۔ بس مجھے رونے دو۔ بابا۔ مجھے اور کچھ مت کہو۔" رشید اپنے باپ کے سامنے عاجزی کرنے لگا۔

بوڑھے غلام رسول کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا تھا۔

"رشید سُنو۔ جس دوائی فروش کے ہاں میں پچھلے تیس ۳۰ سال سے چپراسی کا کام کر رہا ہوں تم دراصل اسی خاندان کا خون ہو۔ تم کو میرے مالک ڈاکٹر جیلانی کی بیٹی نے جنم دیا۔" غلام رسول نے انکشاف کیا۔

"بابا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" رشید کو جیسے یہ الف لیلہ کی کہانی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا معصوم ناتجربہ کار ذہن ان باتوں کو سمجھ نہ سکا۔

"ہاں بیٹے آج سے بالکل چودہ سال پہلے کی بات ہے کہ میرے مالک ڈاکٹر جیلانی کی کنواری بیٹی شبنم اچانک حاملہ ہوگئی۔ یہ بات اس کے ماں باپ کو اس وقت معلوم ہوئی جب وہ تمہیں شبنم کی کوکھ میں مار نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ وقت گزر چکا تھا۔ وہ پریشان ہوگئے۔ ان کی عزت خاک میں ملنے والی تھی اگر کوئی یہ سُن لیتا کہ کنواری لڑکی نے بچے کو جنم دیا۔ شبنم کو ایک الگ کمرے میں رکھا گیا۔ جہاں کوئی جا نہیں سکتا تھا۔ چونکہ میں ان کے گھر میں ملازم تھا اس لئے مجھے اس راز کا علم ہوگیا۔ میں اور میری بیوی اس وقت اولاد کے لئے ترس رہے تھے۔ تمام حکیموں اور ڈاکٹروں نے میری بیوی کو باضابطہ بانجھ قرار دیا تھا۔ جب شبنم نے تم کو جنم دیا میری بیوی اس کی آیا تھی اسی نے تمہیں نہلا کر تولیہ میں لپیٹ لیا۔ میں نے برآمدے میں

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تمہاری پہلی چیخ سُنی ۔ میری بیوی نے تمہیں اپنی کنواری ماں شبنم کی گود میں ڈال دیا ۔ جانتے ہو شبنم نے تمہیں دیکھ کر کیا کیا؟

"بابا!" رشید کچھ کہہ نہ سکا۔

"ہاں رشید تمہاری کنواری ماں شبنم تمہیں دیکھ کر گھبرا گئی ۔ ڈر گئی ۔ لرز گئی ۔ تم تو اسکی زندگی پر ایک کالا دھبہ تھے ۔ وہ تمہیں پکڑ کر تمہارا گلہ دبانے لگی اور تمہارا گلا دباتے دباتے وہ بے ہوش ہوگئی ۔ وہ سمجھی کہ اس نے تمہیں مار ڈالا لیکن ابھی تمہاری سانس باقی تھی ۔ میری بیوی تمہیں نیم مُردہ حالت میں چپکے سے اپنے گھر لے آئی شبنم کو اور اس کے ماں باپ کو اب تک یہی معلوم ہے ہم نے تمہاری لاش دریا میں پھینک دی تھی اس وقت تمہارے قتل کی خبر سُن کر میرے مالک ڈاکٹر جیلانی نے مجھے ایک سو روپیہ انعام دیا تھا ۔ ایک سو روپیہ ۔ ان پیسوں میں میں نے تمہارے لئے کپڑے لائے ۔" بوڑھے غلام رسول کے سینے کے درد میں اضافہ ہورہا تھا لیکن وہ لگاتار کہے جارہا تھا۔

"بیٹے تم ہماری زندگی میں خوشیوں اور مسکراہٹوں کی بہاریں لیکر آئے ۔ ہماری اندھیری زندگیوں میں روشنی کا ایک مینار بنکر آئے ۔ ہم دونوں نے اولاد کی ہر امید کھوئی تھی لیکن تمہیں خدا نے ہمارے گھر میں مسرتوں کا پیغام بنا کر بھیج دیا ۔ ہم کو یقین ہوگیا کہ اللہ نے تم کو صرف ہمارے لئے اس دنیا میں پیدا کیا ۔ تم کو جس نے جنم دیا اس نے اپنی رگوں میں دوڑتے لہو سے تم کو پالا پوسا ۔ ہم تمہیں ہمیشہ پارہ جگر سمجھتے رہے ۔ آج بھی تم میرے اپنے بیٹے ہو ۔ لیکن میں نے صرف تم کو اس لئے یہ کہانی سنائی تاکہ تم ہر چیز سے خبردار رہو ۔ ممکن ہے کہ زندگی میں کبھی وہ عورت مل جائے جس نے تم کو جنم دیا ۔ اچھا بیٹا ۔ اپنے پالنے والوں کی قبروں پر آیا کرنا ۔ بیٹا فاتحہ پڑھنا ۔" یہ کہتے کہتے غلام رسول کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"بابا ۔ یہ تمہیں کیا ہوگیا ۔" رشید چیخنے لگا۔

"بیٹا میرے قریب آجاؤ ۔" غلام رسول آنکھیں بند کرکے نحیف سی آواز میں کہنے لگا ۔ رشید اس کے قریب گیا اور غلام رسول نے کانپتے ہاتھوں سے اس کو اپنے سینے سے لپٹالیا ۔ اس کی ہچکیاں بند ہوگئیں۔

"بیٹا ہم نے ہمیشہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھا ہے اس لئے یہ کبھی نہ سمجھنا کہ تمہارا کوئی نہ تھا ۔ اچھا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں جارہا ہوں۔ بیٹا میں جارہا ہوں۔اس کے ساتھ ہی غلام رسول کی گردن ایک طرف لڑھک گئی۔

غلام رسول بھی مرگیا۔یہ رشید کی زندگی کا ایک بڑا طوفان تھا۔ معصوم چودہ ۱۴ سال کے نو عمر لڑکے رشید کی آنکھوں کے سامنے ماں اور باپ دونوں ایک ساتھ مرگئے اور آخری لمحات میں ایک ایسی کہانی اس سے کہی کہ رشید کی زندگی پر کئی پہاڑ ایک ساتھ ٹوٹ پڑے۔

بہت دیر تک رشید اس واقعہ کے بعد سنبھل نہ سکا۔وہ اس دنیا میں بالکل اکیلا تھا ایک یتیم معصوم لڑکا جس کا کوئی سہارا نہ تھا نہ ہی رشید نے کبھی کسی کا سہارا قبول کرنا چاہا میٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات حاصل کرکے اُسے اسکول میں اسکالر شپ ملی جس کے سہارے وہ اپنے پیٹ کی آگ بھی بجھایا کرتا تھا۔ امتحانات میں پوزیشن حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ نہ اُسے کسی کی تلاش تھی۔ نہ کوئی خواہش وہ صرف جینا چاہتا تھا اور جینے کے لئے اسے روٹی چاہئیے تھی۔ ایک یتیم لڑکے کے لئے اسکول کی اسکالرشپ ایک بہت بڑا سہارا بن گئی۔ اور کالج تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ رشید کو اس بات کا احساس تھا کہ جونہی اسکالرشپ کی رقم بند ہوجائیگی اس کا ایک بہت بڑا سہارا چھین جائے گا اس لئے دل لگا کر محنت کرنے کے سوا رشید کی دلچسپی کسی میں نہ تھی نہ اس کا کوئی تھا نہ وہ کسی کا تھا۔ اسی دوران کالج میں اسٹرائیک کا واقعہ ہوا۔ سلیمہ نے سب کے سامنے اس کی بے عزتی کی اور پھر وہی سلیمہ ہاسپٹل میں اس سے معافی مانگنے آئی۔ سلیمہ کا یوں اس کے سامنے گڑگڑانا۔ہاتھ جوڑکر معافی مانگنا رشید کو عجیب سالگ رہا تھا۔ بچپن سے اس کے ذہن پر یہ بات چھائی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ کوئی بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا ہے رشید فطری طور پر بہت ہی حساس تھا۔ اس کی سوچ کبھی کبھی آسمان کی بلندیوں تک لے جاتی تھی لیکن زبان نے کبھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ کسی انجانے خوف اور ڈر کی وجہ سے اس کی زبان دبی رہتی تھی۔ وہ ہر بار اپنے آپ کو دنیا کے سامنے کھلے الفاظ میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ انسانیت کا علم لیکر کبر اور غُرور کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ وہ دنیا کے سامنے ثابت کرنا چاہتا تھا کہ خون سے رشتے نہیں بنتے بلکہ آپسی میل جول رشتوں کو جنم دیتا ہے۔ وہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ جس عورت نے اس کو جنم دیا وہ اس کی ماں نہیں ہوسکتی بلکہ جس عورت نے اسے پالا وہی اس کی ماں ہے۔ وہ محبت کی انتہائیوں پر پہنچ کر انسانیت پر جمی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صدیوں کی کیچڑ کو صاف کرنا چاہتا تھا لیکن اسے احساس تھا کہ اس کی آواز پر کوئی کان نہیں دھرے گا۔ اپنے باپ غلام رسول کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گونجتی تھیں جب اس نے مرتے وقت کہا تھا۔

"غربت تو آدمی کی قسمت ہے۔ دولت کا کام ہے غربت سے نفرت کرنا اور جس نے بھی دولت حاصل کی اس نے غریب کو زہریلا سانپ بن کر ڈس لیا۔" یہی وجہ تھی کہ رشید خاموش تھا وہ بس اکیلا ہی رہ رہا تھا۔ اکیلا۔ نہ کسی کا دوست نہ کسی کا دشمن۔ لیکن جب ہاسپٹل میں حسین و جمیل سلیمہ جس کی پوشاک اور چال ڈھال سے خاندانی وجاہت ٹپک رہی تھی اس سے معافی مانگ رہی تھی تو رشید کو اپنے وجود کا احساس ہونے لگا اسے دکھائی دیا کہ دنیا ایک نئی کروٹ لے رہی ہے۔ سلیمہ رشید سے کہہ رہی تھی۔

"رشید صاحب میں نے آج آپ کی ذات میں ایک صحیح انسان کو پالیا۔ آپ نے مجھ پر ایک عجیب تاثر قائم کیا۔ آپ نے میری زندگی میں ایک نیا انقلاب لایا۔ میری آنکھوں پر چھائے غرور کے رنگین پردے گر گئے اور آپ نے مجھے زندگی کی اصل حقیقت دکھائی دی مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئیے صرف ایک بار کہہ دیجئے کہ آپ نے مجھے ان نازیبا اور نا مناسب الفاظ کے لئے معاف کیا جو میں نے آج کالج میں غرور اور کبر کے نشے میں آپ سے کہے تھے۔ آپ نے جواب میں کچھ نہیں کہا لیکن تھوڑی دیر بعد صرف میرے لئے اپنے آپ کو زخمی کر کے میرے وجود پر ایک زور دار طمانچہ مارا۔ میں خود ہی اپنی نظروں میں گر گئی۔ کہہ دیجئے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔" سلیمہ گڑگڑا رہی تھی۔

"نہیں ان دولت والوں پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔ یہ سب مکار ہوتے ہیں۔ جھوٹے ہوتے ہیں۔ غریب کے پاس جب انہیں کوئی کام ہو تو پھسلانے والی نرم زبان سے اُسے پھانس لیتے ہیں اور پھر جب کام نکل جائے تو خالی بوتل کی طرح ہمیں دور پھینک دیتے ہیں۔ دولت صرف دولت کی دوست بن سکتی ہے۔ غربت کی نہیں۔ غربت اور دولت کے درمیان صدیوں سے ایک جنگ جاری ہے جس میں ہمیشہ دولت کی جیت ہوئی ہے اور غربت کو پامال کیا گیا۔ یہ جنگ صرف اس لئے بار بار لڑی جاتی ہے کہ بار بار دولت کی عظمت کا اقرار کرنا پڑے تاکہ بار بار دولت اور غرور کی قربان گاہوں کو غربت کے خون سے دھویا جائے۔" رشید کے ذہن میں

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے باپ غلام رسول کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"رشید صاحب آپ خاموش کیوں ہیں۔؟ آپ بولتے کیوں نہیں۔" کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔؟ کیا میں اتنی گری ہوئی لڑکی ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست بھی نہیں بنا سکتے۔؟ میں نے آپ کے بارے میں سُنا ہے کہ آپ کالج میں سب سے زیادہ ذہین اور شائستہ لڑکے ہیں۔ میں اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی جانب بڑھا رہی ہوں آپ اسے قبول کر لیجئے۔ اگر آپ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تو میں سمجھوں گی کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔" یہ کہہ کر سلیمہ نے رشید کی طرف اپنا مرمریں ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں۔ سلیمہ جی۔ نہیں میں آپ کا ہاتھ پکڑنے کی جراءت نہیں کر سکتا۔ آپ مجھ سے دوستی کر کے پچھتائیں گی۔ میں تو کچھ نہیں۔ نہ میرے جینے کا کوئی مقصد ہے نہ میری زندگی کا کوئی مدّعا۔ دوستی وہ لوگ ڈھونڈتے ہیں جو زندگی کا لطف اُٹھانا چاہتے ہوں ہنسنا اور کھیلنا چاہتے ہوں۔ میں تو اس زندگی کو صرف ایک سزا سمجھ کر کاٹ رہا ہوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ سلیمہ جی۔ آپ نے جو کچھ میرے بارے میں کہا مجھے پوری طرح یاد بھی نہیں۔ یقین کیجئے کہ میں نے آپ کی کسی بات کا بُرا ہی نہیں مانا۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ گر گئیں تو مجھے ایسا لگا کہ یہ میرا فرض ہے کہ میں آپ کو بچاؤں آپ کی چوٹ خود سہہ لوں کیونکہ آپ وہ درد برداشت نہیں کر سکتیں تھیں۔ جو میں برداشت کر سکتا ہوں۔ میں نے بس اپنا فرض نبھایا۔ اس معمولی بات کے لئے آپ مجھے اپنی زندگی کا ہیرو سمجھنے لگیں۔ یہ کوئی بڑا واقعہ نہیں ہے اور میں اس کو کب کا بھلا چکا ہوں۔" رشید نے سلیمہ کو صاف صاف لفظوں میں کہا۔

رشید کی اس صفائی اور سادگی پر سلیمہ قربان ہونے لگی۔ آج تک اُس کی ملاقات کسی ایسے نوجوان سے نہیں ہوئی تھی جو اس طرح کھل کر اور صفائی سے بات کرتا ہو۔ اُس نے اپنے اردگرد جو بھی دیکھے وہ صرف گفتار کے غازی دیکھے جو باتوں سے دوسروں پر حاوی ہونا جانتے تھے جو تھوڑے سے کام کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے لیکن آج اُس کے سامنے ایک نوجوان ایسا بھی تھا۔ جو نہ اپنے آپ کو کوئی وقت دے رہا تھا اور نہ ہی سلیمہ میں کوئی دلچسپی دکھا رہا تھا۔

"رشید صاحب اگر آپ مجھے۔ لرنیازی سے ٹھکرا رہے ہیں تو میں اپنے آپ کو کسی قابل نہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سمجھونگی۔ مجھ پر یقین کیجئے میں آپ کی ایک صحیح دوست بننا چاہتی ہوں۔ آج آپ نے میری زندگی میں ایک نیا انقلاب لایا۔ آپ سے ملنے سے پہلے میں اندھیروں میں بھٹک رہی تھی لیکن آپ سے ملکر مجھے سامنے ایک منزل دکھائی دے رہی ہے۔ آپ کی رفاقت میں کچھ سیکھنا چاہتی ہوں۔ تھام لیجئے میرا دوستی کا ہاتھ۔ خلوص کو ٹھکرانا اچھی بات نہیں ہے۔" سلیمہ نے رشید سے کہا۔

سلیمہ نے اس طرح یہ باتیں رشید سے کہیں کہ رشید کی زبان کنگ ہوگئی اور اس نے خاموشی سے سلیمہ کا ہاتھ تھام لیا۔

یہاں سے سلیمہ اور رشید کی محبت کی کہانی شروع ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ دونوں پہلی دفعہ پیار اور محبت کی میٹھی تپش سے آشنا ہوگئے۔ سلیمہ کے لئے بھی رشید کا پیار ایک بیش بہا سرمایہ تھا۔ سلیمہ کی گھریلو فضا تناؤ اور جھگڑوں سے بھری پڑی تھی۔ اس کا باپ ایک عیاش خود غرض آدمی تھا جو شام کو شراب کے نشے میں اس کی ماں کو پیٹتا تھا۔ سلیمہ نے ہمیشہ تنہائی دیکھی۔ تنہائی کے کرب کو بہلانے کے لئے پہلے سلیمہ نے ہائی سوسائٹی۔ کلبوں۔ ہوٹلوں کا سہارا لیا تھا لیکن سلیمہ کے معصوم سینے میں دھڑکتا ہوا محبت کا متلاشی دل کہیں جم نہ سکا۔ سلیمہ کالج میں سہیلیوں کے ایک بڑے جھرمٹ میں رہ کر بھی کسی ایک سہیلی کا سچا پیار حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی رشید سے ملکر سلیمہ کو یوں لگا کہ اس کی زندگی کا سارا پیار۔ رشید میں موجود ہے۔ رشید سلیمہ کے لئے محبت کا ایک جیتا جاگتا پیکر بن گیا۔ سلیمہ اور رشید کی محبت کی داستان آہستہ آہستہ سارے شہر میں پھیلنے لگی اتنی دیر میں دونوں نے گریجویشن کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ رشید نے حسب معمولی امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ اسے اب نوکری کی تلاش تھی۔ اسی دوران سلیمہ اور رشید کی محبت کی خبر سلیمہ کے باپ تک پہنچی۔ اس نے سلیمہ کو رشید سے ملنے کے لئے سختی سے منع کیا۔ لیکن سلیمہ نے باپ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ اس نے کھلم کھلا بغاوت کا علم بلند کیا۔

آج بغاوت کا یہی پرچم لہراتے ہوئے وہ دونوں خواجہ طاروقی کی عالیشان قیام گاہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ سلیمہ نے رشید کے لئے دولت عیش و آرام اور زندگی کی سہولتیں قربان کیں اسے صرف رشید کی محبت کی ضرورت تھی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دونوں خواجہ طاروقی کی قیام گاہ کے بڑے دروازے پر پہونچے خواجہ طاروقی دیوان خانے میں مصروف تھے۔ باہر سلیمہ اور رشید نے نکاح پڑھوانے کی درخواست بھیجی اندر سے خواجہ طاروقی نے چند دنوں کے بعد آنے کے لئے کہا۔

"نہیں۔ ہم انتظار نہیں کرسکتے۔" یہ کہہ کر سلیمہ اور رشید نیپالی دربان کی نظریں بچا کر دیوار پھیلانگ کر کوٹھی کے اندر داخل ہوگئے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیسرا باب

جمال اپنے کمرے کے بیچ ایک شاندار صوفے پر بڑی شان اور وقار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس نے سِلک کا تنگ پاجامہ پہن رکھا تھا اور بند گلے کا لمبا کرتا۔ اوپر سے اُسنے کالے رنگ کا شاہ توس کا شال اوڑھ لیا تھا۔ اس کی عمر بھی تقریباً تیس ۳۰ سال کی تھی۔ وہ مردانہ حُسن و وقار کا ایک مکمل مُجسمہ تھا اس وقت اس کی آنکھیں پوری طرح پُرسکون تھیں اور اس کے چہرے پر ایک خوبصورت اور دلکش مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ جمال کے پاؤں پر ایک آدمی اوندھے مُنہ پڑا رو رہا تھا۔ گڑگڑا رہا تھا اس آدمی کی عمر تقریباً پینتالیس سال ہوگی۔ اس کی کنپٹی کے بال سفید ہوچکے تھے۔ قد بھی اس کا درمیانہ تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ صحت مند ضرور تھا لیکن اس کی ہئیت کدائی اس بات کی عماری کر رہی تھی کہ وہ کئی مہینوں سے کسی بلائے ناگہانی میں گرفتار یا کسی مصیبت یا کسی بیماری میں مبتلا رہا ہوگا۔ اُسنے کئی مہینوں سے داڑھی بھی نہیں بنائی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑچکے تھے۔ اس کی بے ربط داڑھی نے اسے ایک حیوان نما انسان بنایا۔ لیکن اس بُری حالت کے باوجود اُسنے وہ ہیرے کی انگوٹھی اپنی انگلی سے نہیں نکالی تھی جو اس کے سرمایہ دار ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ اُسنے پوشاک زیب تن کی تھی وہ بھی کافی قیمتی تھی۔ اس کا چہرہ پریشان حالی اور قلبی انتشار اور اضطراب کی کھلی کتاب تھا۔ وہ جمال کے پاؤں پر پڑا بے تحاشہ رو رہا تھا۔

"آخر تم مجھ سے اب کیا چاہتے ہو رحیم۔؟" جمال نے مُسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"رحم۔ جمال صاحب۔ رحم۔" وہ اب تک گڑگڑا رہا تھا۔

"میری اس طرح عاجزی کرنے سے تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کرلیا۔ اور اب تمہیں کیا کرنا چاہئیے۔؟" جمال اپنے پاؤں پر رحیم کے گرتے آنسو دیکھ کر پاؤں ہٹائے۔

"نہیں جمال صاحب۔ آج مجھے اپنے پاؤں بار بار چومنے دیجئے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ ایک عظیم ہستی ہیں۔ آپ نے مجھے اس مصیبت سے بچالیا جس سے کوئی بچا نہیں سکتا تھا۔" رحیم نے آگے بڑھ کر دوبارہ جمال کے پاؤں پکڑلئے۔ وہ اسی طرح گڑگڑا کر کہنے لگا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جمال صاحب اب میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ مستقبل میں میری اسی طرح مدد کرتے رہیئے۔ ایک مضبوط سپر بن کر مجھے ہر وار سے بچالیجئے۔ پولیس میرے پیچھے شکاری کتوں کی طرح لگی ہوئی ہے انہوں نے مجھ پر بہت ظلم کیا۔ مجھ پر تھرڈ ڈگری استعمال کر کے مجھ پر قتل کا اعتراف کرانا چاہتے تھے۔ برقی روشنی سے میری آنکھیں تباہ کرنی چاہیں۔ مجھے ذہنی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی۔ وہ کسی بھی صورت میں مجھ سے سلام کے قتل کا اعتراف کرانا چاہتے تھے۔" رحیم کہہ رہا تھا۔

"سلام کا قتل۔ہا۔ہا۔ہا۔!" جمال کے مُنہ سے ایک زوردار قہقہہ اُبھرا۔

رحیم کہہ رہا تھا۔ "جمال صاحب آخر میں اس قتل کا اعتراف کیسے کرتا جس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔ جب میں نے پہلی دفعہ اس قتل کے بارے میں سُنا تو میرے رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ قتل نہیں بلکہ حیوانیت کی انتہا تھی۔ سلام کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور میں آج بھی اس کا تصور کر کے تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ قسمت کی بد نصیبی دیکھئے کہ اس قتل کا الزام مجھ پر ہی عائد کیا گیا۔ مجھے اپنے دوست اپنے شریک سلام کا قاتل ٹھیرایا گیا۔ اُف جمال صاحب۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اب تک ان لوگوں کے اوٹ پٹانگ سوالات سُن سُن کر میں پاگل ہوگیا ہوتا۔ جمال۔ آپ نے مجھے جہنم سے نکالا۔ آپ نے مجھے اور میرے خاندان پر ہمیشہ کے لئے ایک احسان کیا جو ہم کبھی چکا نہیں سکتے۔ یہ احسان ایک قرض کے طور پر ہماری تمام آنے والی ان نسلوں پر رہے گا۔" رحیم جمال کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

جمال کے لبوں پر پھر وہی دلکش اور پر کشش مسکراہٹ اُبھری۔

"رحیم میں نے تمہیں اس لئے جیل کی کوٹھری سے باہر نکلوایا کہ مجھ سے دیکھا نہ گیا کہ ایک بے گناہ ہو کر بھی تم پھانسی کے تختہ پر چڑھ جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ جس رات سلام کا قتل ہوا اس رات تم یاسمین ڈار کی جوانی سے کھیل رہے تھے۔ تم نے سونیا پرکاش سے یاسمین کی جوانی کے لئے ۲۵ ہزار کا سودا کیا کیا تھا۔ تم نے پولیس سے بھی کہا تھا کہ تم اس رات یاسمین کے ساتھ تھے لیکن نہ پولیس کو یاسمین ملی نہ انہیں تمہاری کہانی پر اعتبار آیا لیکن مجھے اس حقیقت کا علم تھا۔ جمال ہر بات کی خبر رکھتا تھا۔ تمہاری بے گناہی جان کر میں نے تم کو پولیس کے چنگل سے چھڑانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے سپریم کوٹ کے وکلاء بلوائے اپنا اثر و رسوخ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استعمال کیا اور آج تم کو پولیس نے ضمانت پر رہا کیا۔" جمال نے رحیم کو تفصیل کے ساتھ ساری بات سمجھائی۔

جمال صاحب۔ آپ نے مجھے خرید لیا۔ اگرچہ عمر میں آپ مجھ سے بہت چھوٹے ہیں لیکن ذہانت اور اثر رسوخ میں آپ شہنشاہ ہیں۔ آپ سب کچھ ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں۔ میں صرف آپ کے ایک اشارے پر اپنی جان فدا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" رحیم نے کہا۔

"رحیم۔ تم اور سلام شعبان کے مرنے کے بعد صرف دو شریک رہ گئے تھے اب سلام بھی گیا تو فرم اور باقی کاروبار کے بارے میں کیا سوچا ہے۔؟" جمال نے اچانک رحیم سے پوچھا۔

رحیم یہ سوال سنکر چند لمحوں کے لئے بوکھلا گیا لیکن اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا وہ ہاتھوں کے سہارے آہستہ سے اوپر اٹھنے لگا اور پھر سلیقہ سے زمین پر بیٹھ گیا۔

وہ نیچے فرش پر تھا جمال صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس نے رحیم کو اپنے برابر دوسرے صوفے پر بیٹھنے کے لئے نہیں کہا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد رحیم جمال سے کہنے لگا۔

"جمال صاحب۔ آپ تو ہر چیز سے واقف ہیں۔ آپ کی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی ہے میں نے بہت پہلے آپ کی ذہانت تسلیم کی تھی۔ اور اب میں آپ کو ایک عظیم طاقت کے طور پر تسلیم کر رہا ہوں۔ مجھے خود اپنے بارے میں اتنی علمیت نہیں جتنی آپ کو ہے۔"

"رحیم۔ میں ایسی گول مول باتیں سُننے کا عادی نہیں ہوں میں تو بس تھوڑی کاروباری نوعیت کا سوال کر رہا ہوں کہ سلام کے مرنے کے بعد تم نے کاروبار اور فرم کے بارے میں کیا سوچا ہے۔" جمال کے مُنہ سے چند لمحوں کے لئے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"پولیس نے مجھے سوچنے کا موقعہ کب دیا۔ ہاں پھر بھی میں آپ سے یہ کہنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں کسی کا حق ہڑپ کرنا نہیں چاہتا۔ میں سلام کی جوان بیوی ثریا کو اس جائیداد میں بالکل اپنا حصّہ دینا چاہتا ہوں۔ جو ہم دونوں قانونی طور پر ایک ساتھ چلا رہے تھے۔ لیکن میں اس کو غیر قانونی بیوپار میں لگے پیسے میں ایک آنہ بھی دینا نہیں چاہتا ہوں۔ وہ حرامزادی تو سلام کی قانونی جائیداد کے ذریعہ بھی دس بارہ لاکھ روپیہ بٹور سکتی ہے۔ اس کو کیا چاہئیے تھا روپیہ۔ اسی لئے صرف ۲۰ سال کی عمر میں پچاس سالہ بوڑھے سے شادی کر لی۔ بڑی چالاک لڑکی نکلی اگر طوائف خانے میں ساری عمر بھی بیٹھتی تو شاید اتنی جائیداد کا پانچ فیصد بھی کما نہیں سکتی۔" رحیم

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ کہا۔

"رحیم بکواس بند کرلو۔!" جمال دھاڑا۔

جمال کی آنکھوں میں پھر وہی دوزخ کی آگ نمودار ہوئی۔ وہ جلنے لگا۔ اس کی زبان بھیڑیئے کی زبان کی طرح باہر آئی۔ مُنہ سے جھاگ بہنے لگا۔

"جمال صاحب۔ جمال صاحب۔" رحیم اس کی بگڑتی صورت دیکھ کر گھبرا گیا۔

"مجھ سے کون سی بھول ہوئی۔ میں نے آپ سے کیا کہا۔؟ رحیم کپکپانے لگا۔ وہ خوفزدہ ہوگیا۔

جمال نے آگے بڑھ کر رحیم کا گریبان زور سے پکڑ لیا۔ وہ اس کو مروڑنے لگا۔ گریبان مروڑنے کی رفتار تیز ہونے کے ساتھ ساتھ رحیم کی آنکھیں باہر اُبلنے لگیں اس کا دم گھٹنے لگا۔

"جمال صاحب میں نے کیا کیا۔؟" رحیم اپنا گناہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ جمال اُس کا گریباں زور سے مروڑنے لگا۔

"جمال صاحب مجھے معاف کیجئے اگر میں انجانے میں کچھ کہا ہو میں تو آپ کے اشارے پر جان دے دوں گا۔ آپ نے مجھے انٹروگیشن کی مصیبتوں سے چھٹکارا دلایا۔ جیل کی سلاخوں سے باہر نکالا۔ میری زندگی تو آپ ہی کی خیرات ہے۔ اگر آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں تو یہ جان حاضر ہے آپ کے ہاتھوں مرنا میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا" رحیم نے یہ کہہ کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

رحیم کی بات سنکر جمال کا ہاتھ ڈھیلا پڑگیا۔ اس کا غصہ آہستہ آہستہ مدہم ہونے لگا۔

رحیم خود کو آزاد پاکر زور زور سے سانس لینے لگا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا گلہ سہلانے لگا۔

جمال کی یہ حالت اس کی سمجھ میں نہ آسکی۔

"کیا غلط بات کہی تھی میں نے جمال صاحب؟ مجھ سے کہئیے تاکہ آئندہ ایسی کوئی بات میں زبان پر لانے کی جراءت نہیں کروں جس سے آپ کو دکھ پہنچے۔" رحیم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

جمال نے رحیم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹا اور تیزی سے ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔

رحیم جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ جمال کی حالت دیکھ کر اُسے احساس ہوا کہ ان جانے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکلی تھی جو جمال کی برہمی کا سبب بنی۔ وہ اپنی غلطی پر بہت پچھتانے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ جمال کا غصہ اس کے لئے بہت خطرناک ہے۔ اس شہر کے تمام رئیس معزز شہری۔ اثر رسوخ والے آفیسر۔ جمال کے عتاب سے ڈرتے تھے۔ جمال کے غصے کا مطلب تھا ان کی بربادیاں۔ رحیم سراپا ڈر اور خوف کے اثر لرزنے لگا۔

رحیم جمال کے پیچھے پیچھے جاکر دوسرے کمرے میں اس کے پاؤں پر گر کر اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ جمال کے پیچھے جانے کی جراءت نہ کرسکا۔ وہ اپنی ہی جگہ پر بیٹھ کر جمال کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔

جمال اگرچہ ایک نوعمر جوان تھا۔ لیکن آج رحیم جیسے ہر ایک شخص کی گردن پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ جمال کے بارے میں رحیم کی معلومات زیادہ نہیں تھیں۔ اس نے جمال کو آج سے کئی سالوں پہلے اچانک دہلی میں دیکھا تھا۔ ان دنوں رحیم سوپور سے میووں سے بھری ٹرکیں آزاد پور لے جاتا تھا۔ ان ٹرکوں میں چرس کی چند پیٹیاں بھی ہوتی تھیں آزاد پور منڈی میں بی۔ کے نندہ کے آدمی وہ چرس ٹرکوں سے اتار کر ہاؤس نمبر ۱۱۳ گریٹر کیلاش نئی دہلی پہنچاتے تھے۔ بی کے نندہ نے اس کی ملاقات حاجی شعبان سے کروائی تھی۔ حاجی شعبان نے ایک دفعہ اپنے گھر میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں نئی دہلی کے بی کے نندہ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ اس دعوت میں میزبان کے شریک کے طور پر سلام بھی موجود تھا۔ چونکہ حاجی شعبان اور سلام دونوں کے ساتھ رحیم کے تعلقات بڑے اچھے اور دوستانہ تھے۔ اس لئے اس دن رحیم کو بھی اس دعوت پر بلایا گیا اسی دعوت میں رحیم کو شعبان اور سلام کا شریک بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کو بھروسے کا آدمی بنایا گیا۔ جو اپنی ٹرکوں میں چرس لاد کر دہلی پہنچایا کریگا۔ رحیم نے اس غیر قانونی کام میں پوری طرح مدد دینے کا وعدہ کیا۔ بی کے نندہ یہاں ایک بڑی مقدار میں چرس حاصل کرکے دہلی پہنچانا چاہتا تھا۔ بھاؤ وغیرہ کے بارے میں اس رات تمام فیصلے ہوئے۔ مال پہنچانے کا مقام گریٹر کیلاش ہاؤس نمبر ۱۱۳ میں مقرر کیا گیا۔ جہاں مال ملتے ہی نقدی ادائیگی کی جائیگی۔ بھاؤ مقرر کرنے کا کام شعبان کے ذمہ رکھا گیا۔ چرس خریدنے کا کام سلام کے ذمہ تھا اور چرس دہلی پہنچانے کا کام رحیم کے حوالے کیا گیا بہت کم مدت میں تینوں نے مل کر لاکھوں دولت سمیٹ لی۔ اسی دوران حاجی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شعبان کی موت واقع ہوئی۔ چونکہ شعبان کی ساری دولت چرس کے کاروبار میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس لئے اسکے وارثوں کو اس دولت میں کچھ نہ ملا۔ سلام اور رحیم نے شعبان کا حصہ بھی مل کر بانٹ لیا۔ سوپور میں بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر کرنے کے بعد دونوں نے راجباغ۔ جواہر نگر اور سرینگر کے دوسرے اہم علاقوں میں بنگلے بنوائے۔ اب سلام ٹیلیفون نمبر ۵۸۳۰۲۱ پر بی۔ کے نندہ کے ساتھ بھاؤ مقرر کرتا تھا اور رحیم ٹرکوں کے ساتھ جاکر چرس کی پیٹیاں دہلی پہنچایا کرتا۔ آزاد پور میں طے شدہ ہدایات کے مطابق بی۔ کے نندہ کے آدمی اس کا مال گریٹر کیلاش پہونچاتے تھے۔ یہ کام سب حسب معمولی اسی طرح چل رہا تھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اُس دن بھی معمول کی طرح رحیم مال سمیت گریٹر کیلاش ہاؤس نمبر ۱۳ میں پہنچا وہاں بی کے نندہ موجود تھا۔ اس نے چرس کی ہر پیٹی کھولی چرس کے چند ٹکڑوں کو جانچنے کے لئے ہاتھ سے دبایا اور پھر اطمینان کے ساتھ سر ہلانے لگا۔ روپیوں سے بھرا ایک کالا بریف کیس اس نے رحیم کے حوالے کیا۔ بریف کیس ہاتھ میں لے کر رحیم کمرے سے باہر نکلا۔ وہ ابھی کمرے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ باہر راہداری میں وہ ایک نوجوان سے ٹکرایا۔ اس نے اس نوجوان سے سراپا پر نظر ڈالی وہ بالکل کشمیری تھا۔ اس کی چال ڈھال اس کا چہرہ اس کے کشمیری ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔

کون ہیں آپ۔؟" رحیم نے بوکھلاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

اس نوجوان نے رحیم کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس پر ایک تیز نظر ڈالی اور پھر پھرتی سے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں بی۔ کے نندہ موجود تھے۔ رحیم اپنے آپ کو روک نہ سکا۔ وہ اس کوٹھی میں پچھلے دس سال سے برابر آرہا تھا اور اس نے بی۔ کے نندہ اور اس کے چند مخصوص آدمیوں کے بغیر وہاں کسی دوسرے غیر کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نوجوان کی موجودگی رحیم کو بڑی عجیب سی لگی اس نے دیکھا کہ بی۔ کے نندہ بڑے ادب کے ساتھ اس کشمیری نوجوان کے آگے کھڑا ہے۔ رحیم کو دوبارہ کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نندہ اس سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن نندہ سے پہلے وہ نوجوان بولنے لگا۔؟"

"رحیم۔ تم دوبارہ کیوں واپس آگئے۔؟"

"میں۔ میں۔" رحیم اس نوجوان کو تحکمانہ انداز دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہ نندہ سے کچھ کہنا چاہتا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا لیکن نندہ کو سر جھکائے دیکھ کر اس نے کچھ بولنے کی جراءت نہیں کی۔

"میں جمال ہوں۔ اس کے علاوہ تم میرے بارے میں کچھ جان نہیں سکتے۔ چلے جاؤ یہاں سے اور ہمارے معاملوں میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کرنا۔" جمال نے اس سے کہا۔

رحیم جمال کا حکم سنکر فوراً کمرے سے باہر نکلا۔ یہ رحیم کی جمال کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات پر میں رحیم نے صرف جمال کی ایک مختصر جھلک دیکھی۔ یہاں پر اسے واضح طور پر جمال کی شخصیت کا اندازہ نہ ہوسکا لیکن بعد میں اسے معلوم ہوگیا کہ جمال کس ہستی کا نام ہے۔ آج جمال کی شخصیت سب پر چھائی ہوئی تھی۔ آج جمال وہ جمال نہیں تھا جس کی جھلک اس نے بی۔ کے نندہ کے مکان میں دیکھی تھی۔ آج جمال کا غصہ اس کی بربادی کا نام تھا۔

جمال رحیم کو اس طرح کمرے میں اکیلا چھوڑنا اور پھر غصے کے عالم میں دوسرے کمرے میں چلے جانے کا مطلب تھا جمال کی مکمل ناراضگی۔

"نہیں۔ جمال صاحب۔ نہیں آپ مجھ پر اس طرح ناراض مت ہو جائیے۔ مجھے معاف کیجئے۔ خدا کے لئے۔ آپ کو اس شخص کا واسطہ جس کو آپ سب سے زیادہ چاہتے ہیں مجھے بخش دیجئے۔" رحیم اس کمرے میں اکیلا چلانے لگا۔ شاید اندر کمرے میں جمال نے اس کی آوازیں سُن لیں۔

پردہ ہلا۔ اور جمال دوبارہ واپس کمرے میں آگیا۔ جمال کو دوبارہ دیکھ کر رحیم کے منہ پر زندگی کی روشنی اُبھرنے لگی۔

"جمال صاحب۔ خُدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے اور حکم کیجئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئیے۔"

رحیم کا سر جمال کے سامنے عاجزی سے جھک گیا۔

"ہاں رحیم۔ تم وہی کروگے جو تمہیں میں کہوں گا۔" جمال نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔

"سر آنکھوں پر مجھے منظور ہے۔" رحیم کی آواز میں اطاعت و مسرّت کے جذبات بھرے تھے۔

"ٹھیک ہے پھر اس وقت چلے جاؤ۔ تم محفوظ ہو۔ میں وقت آنے پر تمہیں بلاؤں گا اور اس وقت جو کچھ میں تمہیں کہوں گا تم اُس پر عمل کروگے۔" جمال نے اس سے کہا۔

"میں ہر وقت آپ کے حکم پر اپنی جان تک دینے کے لئے تیار ہوں۔" رحیم نے یہ کہہ کر

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال کے پیروں کو چوم لیا۔

"اب چلے جاؤ۔ مجھے دوسرے کام دیکھنے ہیں۔" جمال نے اپنے پیروں سے رحیم کا سر اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوتھا باب

ثُریا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں جمال نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے شوہر سلام کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے۔ اس واقعہ کو گزرے ایک مہینہ ہوگیا لیکن اب بھی ثُریا اس کو یاد کرکے تھر تھرا اٹھتی تھی۔ جمال نے اپنی بربریت اور سفاکی کا کھلم کھلا مظاہرہ کیا تھا اور ثُریا کچھ کر نہ سکی۔ جب جمال کے جانے کے بعد ثُریا چیخ مار کر کمرے میں گر پڑی تھی تو کسی نے باہر سڑک پر یہ چیخ سُن لی۔ اس درد بھری چیخ میں اتنی طاقت تھی کہ سڑک پر چلنے والا آدمی رک گیا اس نے دوسرے لوگوں کو بھی جمع کیا اور یہ سب لوگ سلام کی شاندار کوٹھی میں داخل ہوئے۔ جونہی وہ لوگ اس کمرے میں پہنچے جہاں سے وہ خوفناک اور دہشت انگیز چیخ اُبھری تھی۔ تو وہاں کا منظر دیکھ کر دہل اُٹھے۔ وہاں سارے کمرے میں خون پھیلا ہوا تھا اور جسم کے سینکڑوں ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے ایک برہنہ عورت کا جسم کمرے کے بیچ پڑا ہوا تھا وہ لوگ خاموشی سے باہر آگئے اور پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ پولیس وہاں فوراً پہنچی انہوں نے ثُریا کو ہاسپٹل پہنچایا اور سلام کی لاش کے ٹکڑے جمع کرکے انہیں پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجا گیا۔

جب ثُریا کو ہوش آیا تو اس کے اردگرد خاکی وردی میں ملبوس پولیس آفیسروں کی ایک لمبی قطار تھی سب اس کا منہ کھولنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ثُریا نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پہلے وہ خود ہاسپٹل کے کمرے میں دیکھ کر اور اپنے گرد پولیس والوں کی جماعت پاکر حیران ہوگئی۔ پھر آہستہ آہستہ اسے کل کا لرزہ خیز واقعہ یاد آنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ جمال نے کس سفاکانہ انداز میں اس کے شوہر کو قتل کیا تھا کلہاڑی اُٹھنے اور گرنے کا منظر یاد آیا۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح جمال نے اس کی گردن سے لاکٹ چھین لیا۔

ہاں ثُریا جی۔ سلام کا قتل کس نے کیا۔؟ شہر کے ایس۔پی نے اس سے براہ راست سوال پوچھا۔

ثُریا نے ایس۔پی کی بات سُن لی۔ اچھی طرح سمجھ لی۔ اب اسے صرف یہ کہنا تھا کہ قتل جمال نے کیا۔ بس۔ اس کی طرف اس بات پر جمال کو گرفتار کرکے پھانسی کی سزا سنائی جاتی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جمال کی پھانسی۔!" اس خیال سے ہی ثُریا تڑپ اُٹھی۔

"کیا وہ خود جمال کو پھانسی دلانے کا باعث بنے گی۔؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"اور نہیں تو کیا۔؟ جمال نے مجھے بیوہ بنا دیا۔ میرے شوہر کو قتل کیا۔ اس طرح قتل کیا کہ اس کا تصوّر کر کے ہی رونگھٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ جمال کا انتقام نہیں بلکہ پاگل پن ہے۔ میں پولیس کو سارا ماجرا سناؤں گی۔ میں کہہ دونگی کہ جمال نے کس طرح میرے شوہر کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔" ثُریا کا ذہن کہہ رہا تھا۔

لیکن کس جمال کے خلاف بیان دوگی۔ اپنے جمال کے بارے میں۔ میں اپنے پیارے جمال کے بارے میں جس کو میں نے تباہ کیا۔ جس کو میں نے مجرموں کی اگلی صف میں پہنچایا جس کی زندگی کا یہ رخ صرف میری وجہ سے ہے۔ اب میرے ہاتھوں اور کیا باقی رہ گیا ہے؟ صرف پھانسی کا پھندہ۔! نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی۔" یہ آوازیں ثُریا کے دل سے اُبھر رہی تھیں۔ وہ اسی ادھیڑبن میں تھی۔

"ثُریا جی۔ میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ سلام کا قاتل کون ہے؟" ایس۔ پی نے تُرشت لہجے میں دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔ تو وہ چونک اُٹھی۔

"جمال۔! ثُریا کے اندر سے آواز اُبھری لیکن یہ آواز ہونٹوں سے باہر نہ آسکی ثُریا کو یاد آیا کہ جمال نے کس طرح ہاتھوں میں دستانے پہنے تھے تاکہ وہ اپنی انگلیوں کے نشان کہیں چھوڑے۔ اس نے وہ کلہاڑی بھی اپنے ساتھ لے لی جس سے سلام کا قتل کیا گیا۔ کیونکہ جمال نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کا پتہ چل جائے کہ خون اس نے کیا۔ لیکن عینی شاہد ایک زندہ ثبوت ثُریا تھی۔ جمال نے اس ثبوت کو نہیں مٹایا وہ اگر چاہتا اسے بھی ختم کردیتا۔ لیکن اس نے یہ نہیں کیا۔ ایک طرف اتنی احتیاط اور دوسری طرف مقتول کی بیوی چشم دید گواہ کو زندہ چھوڑ دیا اس کا مطلب صرف یہ ہوسکتا ہے کہ جمال کو ثُریا پر مکمل اعتماد تھا کہ وہ کبھی اس کے خلاف بیان نہیں دے گی۔ جمال جانتا تھا کہ ثُریا اس کا نام بھی کبھی ظاہر نہیں کر سکتی۔

"ثُریا جی۔ آپ ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہیں۔؟" ایس۔ پی کا لہجہ تیز ہونے لگا۔

"جی۔!" ثُریا نے پہلی بار اپنے ہونٹ کھولے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"قاتل کون ہے۔ ؟" ایس۔پی نے ایک عجیب سرگوشی میں پوچھا۔ پولیس کے سب آفیسران اس طرح ثُریا کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی جانب دیکھ رہا ہو ۔ثُریا کی ایک بات سے اس قتل کا معمّہ حل ہوسکتا تھا۔ یہ ایک ایسا دل دہلا دینے والا قتل تھا کہ ملک کے تمام لوگوں کی توجہ اس کی طرف تھی۔ سارے ملک کے اخباروں میں اس قتل کی سنسنی خیز خبر بڑی سرخیوں میں شائع ہوئی تھی۔ اس قتل کی تفصیل حاصل کرنے کے لئے نیوز فوٹوگرافروں اور رپورٹروں کی لائن ہاسپٹل کے باہر لگی ہوئی تھی لوگ قاتل کا نام سُننے کے لئے بے قرار تھے۔ ثُریا کے گرد کھڑے پولیس آفیسران ثُریا کے لب ہلانے کا انتظار کررہے تھے۔ مقتول سلام کی بیوی ثُریا کی ایک ایک بات اہم تھی۔

"ہاں جلدی بولو۔ جلدی بتاؤ۔ جلدی قاتل کا نام بتاؤ۔" ایس۔پی نے دوبارہ ثُریا کو تحکمانہ لہجے میں کہا اور ساتھ ساتھ اپنی بے قراری کا ثبوت دیا۔

"میں نہیں جانتی۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا۔" ثُریا آخر کار بول اُٹھی پولیس کے تمام آفیسر مایوس ہوگئے۔ ثُریا کی اس بات نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

"کیسی بات کررہی ہیں آپ۔ ؟ آپ کے سامنے قتل ہوا ہے آپ مقتول کی چیخ سنکر باتھ روم سے باہر آگئی تھیں اور قاتل کو سفاکانہ طور پر اپنے شوہر کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے دیکھ کر آپ ڈر کے مارے بے ہوش ہوگئیں۔ آپ سب کچھ جانتی ہیں اور جان بوجھ کر ہم سے چھپا رہی ہیں۔ اس طرح پولیس آپ پر شک کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔" ایس۔پی پولیس نے اس سے کہا۔

"ایس۔پی صاحب میرے شوہر کو قتل کیا گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس کے ٹکڑے کئے گئے۔ جی ہاں۔ یہ سچ ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اس قاتل نے کس طرح ایک تیز کلہاڑی سے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ؟" یہ کہتے کہتے ثُریا رونے لگی۔ وہ اپنے شوہر کی موت پر ماتم کرنے لگی وہ دوبارہ کہنے لگی۔

"ایس۔پی صاحب اگرچہ میرے شوہر عمر میں مجھ سے بڑے تھے لیکن وہ آخر میرے شوہر تھے۔ میری زندگی کا سہارا۔ میں اس لرزہ خیز قتل کو دیکھ کر چکرا گئی پھر مجھے نہیں معلوم کہ قاتل کیسے اور کس طرح بھاگ گیا۔" ثُریا نے ایس۔پی سے کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جب تم نے اپنے شوہر کا قتل اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھا پھر تم نے قاتل کا چہرہ دیکھ لیا ہوگا۔ کیا وہ کوئی جانا پہچانا چہرہ تھا یا اس کو آپ نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ ایس۔ پی نے ثُریا سے پوچھا۔

ایک انسپکٹر ساتھ ساتھ ایس۔ پی کے سوالات اور ثُریا کے جوابات ڈائیری پر لکھ رہا تھا۔ ثُریا چونکہ جمال کا نام ان کو بتانا نہیں چاہتی تھی اس لئے اپنے آپ کو اور جمال کو پولیس کے چنگل سے بچانے کے لئے ثُریا نے پولیس کو بتایا کہ اس خوف ناک قاتل کے چہرے پر کالا نقاب تھا۔ ہاتھوں میں دستانے تھے۔

پولیس کے آفیسروں نے ایک ایک کر کے ثُریا سے ہزاروں لاکھوں سوالات پوچھے ہر زاویئے سے اس کا بیان قلمبند کیا۔ لیکن اس نے جمال کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ جب گردن پر لگے تازہ زخم کے بارے میں ثُریا سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس نے انمول جواہرات کا ایک قیمتی ہار پہن رکھا تھا جو اب غائب ہے۔ میری بے ہوشی میں وہ اُڑا لیا گیا ہے۔ پولیس نے کئی دنوں کی محنت کے بعد شک کی بنیاد پر قتل کے سلسلہ میں سلام کے کاروباری شریک رحیم کو گرفتار کیا۔

رحیم کی گرفتاری کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ ثُریا نے جب رحیم کی گرفتاری کے بارے میں سُنا تو اس کے دل میں رحیم کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ پولیس نے رحیم کے چہرے پر نقاب پہنائی اور اسے ثُریا کے سامنے شناخت کی غرض سے پیش کیا گیا۔

"کیا اسی آدمی نے آپ کے شوہر کو قتل کیا۔؟" ایس پی جواب نقاب پوش رحیم کی طرف اشارہ کر کے ثُریا سے پوچھا۔

"قاتل بڑا پھُرتیلا تھا اور اتنا موٹا نہیں تھا جتنا یہ شخص دکھائی دے رہا ہے۔"

ثُریا نے یہ کہہ کر دوبارہ پولیس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

رحیم کی ضمانت کے لئے سپریم کورٹ سے بڑے بڑے معتبر وکلاء آنے لگے۔ ان کے پیچھے کون تھا یہ کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ ان وکیلوں نے کئی دنوں عدالت میں بحث کے بعد رحیم کو ضمانت پر چھڑوایا۔

رحیم کی رہائی کی خبر سُن کر ثُریا نے آرام کا سانس لیا۔ ثُریا نہیں چاہتی تھی کہ صرف اس کی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاموشی کی وجہ سے کوئی بے گناہ پھانسی کے تختے پر چڑھ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پیارے جمال کا نام بھی لینا نہیں چاہتی تھی۔

آج اس خوف ناک اور دہشت ناک واقعہ کو گزرے ایک مہینہ ہوگیا۔ ثریا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی آج جمال کے دھرے روپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ آج سے سات سال پہلے کے جمال میں کتنا فرق تھا۔ وہ جمال کی بچپن کی معصومیت کے بارے میں سوچنے لگی۔ اپنی ویران زندگی کے بارے میں سوچنے لگی وہ سوچنے لگی کہ کس طرح سونے چاندی، ہرے نوٹوں، بینک بیلنس اور شاندار عمارتوں کی چمک ایک انسان کو اندھا کردیتی ہے۔ ثُریا خود بھی ان چیزوں سے اندھی ہوئی تھی آج سے سات سال پہلے ثُریا نے سونے چاندی اور شاندار عمارتوں کے چکر میں آکر جھوٹی شان جتانے کے لئے جمال کی معصوم دنیا میں آگ لگا دی۔ ثُریا نے اپنے ہاتھوں سے جمال کی آرزوؤں اور تمناؤں کا گلہ گھونٹ دیا۔

جمال اور ثُریا ایک ہی ساتھ پلے تھے۔ دونوں بچپن میں ایک مولوی کے پاس قرآن شریف کی تلاوت سیکھنے جاتے تھے۔ دونوں کو ایک ہی سرکاری اسکول میں داخل کیا گیا۔ دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔ جمال کا باپ اس کے پیدا ہونے سے صرف ایک مہینے پہلے ایک حادثے میں مرگیا تھا جبکہ ثُریا بالکل یتیم لڑکی تھی۔ اس کی پرورش اسکا چچا خضر کھانڈے کررہا تھا۔ جمال کی ماں جمال کی پرورش کرتے کرتے لاغر اور کمزور ہوگئی تھی۔ اس نے جمال کی خوشیوں کے لئے اپنی جوانی داؤ پر لگائی۔ جبکہ ثُریا کی پرورش پر اس کا چچا زیادہ دھیان نہیں دیتا تھا۔ جمال اور ثُریا کے گھر بھی ساتھ ساتھ تھے۔ دونوں گڈّے گڑیوں کا کھیل ایک ساتھ کھیلتے تھے۔ صبح ہوتی تھی کہ جمال اور ثُریا کی ملاقات کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ دونوں آنگن میں سجائے گڈے اور گڑیوں کے گھر کو سجاتے اور سنوارتے تھے۔ اور پھر کتابیں اکھٹی کرکے اسکول جاتے تھے اسکول کے آنے کے بعد ثُریا اور جمال ایک جگہ بیٹھ کر اسکول کا سبق یاد کرتے تھے۔ دونوں اکثر جمال کے گھر میں ہی ملتے تھے جہاں جمال کی ماں دونوں بچوں سے بہت پیار کرتی تھی۔ گھر میں عدم توجہ کی وجہ سے ثُریا جمال کے گھر میں ہی رہنا پسند کرتی تھی۔ جمال کی ماں کا دل چونکہ بہت نرم تھا اور جمال کو وہ بہت چاہتی تھی اس لئے جمال کی خوشیوں کے لئے وہ ثُریا کی ہر طریقے سے دیکھ بھال کررہی تھی۔ جمال اور ثُریا ہمیشہ ہنستے رہتے تھے۔ قہقہے لگاتے تھے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بچپن کی معصومیت کی وجہ سے وہ ان مصیبتوں کا اندازہ نہ کرسکے جو جمال کی ماں تنہا جھیل رہی تھی۔

بچپن میں جمال اور ثُریا کے لئے وہ دن انتہائی خوشی کا دن تھا۔ جب خضر کھانڈے نے اپنے مکان کی معمولی مرمت کے لئے ریت کا انبار لاکر آنگن میں رکھ دیا۔ ریت کے اس انبار پر جمال اور ثُریا ایک ساتھ لپٹ کر کروٹیں بدلنے لگے۔ انکو اس طرح بار بار لپٹنا بہت اچھا لگا۔ اس وقت ان کی عمر دس دس سال کی رہی ہوگی دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح رہیں گے۔ دونوں کی دوستی کبھی نہیں ٹوٹے گی۔ ریت کی اسی چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے بیٹھے ان کو بہت ہی سکون محسوس ہونے لگا۔

"ثُریا ہم اسی ریت کے نیچے ایک کمرہ بنائیں گے جہاں ہم دونوں ایک ساتھ رہیں گے۔" جمال نے ثُریا سے کہا۔ ثُریا نے فوراً جمال کا کہنا مان لیا۔ دونوں ریت کے انبار میں اپنا کمرہ تعمیر کرنے لگے اس دن میری چھٹی تھی اس لئے صبح سے شام تک وہ اس ریت کے مکان کی تعمیر میں لگ گئے۔ کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا۔

شام تک ریت کا ایک حسین کمرہ تعمیر ہوا۔ دونوں بہت خوش تھے۔

"ثُریا اب یہ کمرہ ہمارا ہے۔ اس میں ہم دونوں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔" جمال نے ثریا سے کہا تھا۔ ثُریا نے اس حسین تعمیر کیطرف دیکھا پھر جمال کی طرف دیکھا نہ جانے اس کے دل میں کون سی بات گھس گئی۔

"نہیں جمال۔ یہ ریت تو صرف میری ہے۔ میرے چچا کی ہے اس لئے یہ سارا کمرہ میرا ہے میں تم کو اس کمرے میں گھسنے نہیں دونگی۔" ثُریا نے جمال سے کہا تھا۔

ثُریا کی بات سُن کر چھوٹا جمال اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن کوئی بھی بات اس کی زبان پر نہیں آرہی تھی۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک نمودار ہونے لگی۔

"کیا ہوگیا تمہیں جمال۔" ثُریا نے جمال سے کہا اس کی شوخ نگاہوں سے غصّہ کے آثار جھلکنے لگے۔ لیکن جمال سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے چند لمحوں کے لئے اسی طرح کھڑا ثُریا اور ریت کے اس محل کو گھورتا رہا۔ جسے ان دونوں نے ملکر تعمیر کیا تھا۔ اس نے آنگن میں پڑی ایک موٹی لکڑی اٹھائی اور اس سے ریت کا محل منہدم کرنے لگا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثُریا اس کو روکنے کے لئے آگے بڑھی۔

"نہیں۔اس کو مت گراؤ۔یہ میرا ہے۔ثُریا نے آگے بڑھکر جمال کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔ جمال نے ثُریا کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر دور پھینک دیا۔ثُریا آنگن میں پڑھے ایک پتھر سے ٹکرا گئی۔جمال تیزی سے ریت کے محل کو تہس نہس کرنے لگا۔اس کے ماتھے سے پسینہ پھوٹ رہا تھا لیکن وہ اس وقت تک نہیں رکا جب تک اس نے ریت کا گھروندا ہموار نہ کردیا۔اس گھروندے کو مسمار کرکے جمال کو سکون سا محسوس ہوا۔اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو ثُریا آنگن کے بیچ پڑی بے ہوش ہوگئی تھی۔پتھر سے ٹکرا کر اس کا سر پھٹ چکا تھا۔

جمال کو اب ثُریا کا خیال آیا۔وہ ثُریا کے قریب پہونچا۔اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔وہ روتے روتے اپنی ماں کو بلانے لگا۔چونکہ جمال کا مکان پاس ہی تھا اس لئے جمال کی ماں نے جونہی اپنے بیٹے کی آواز سُنی۔وہ ننگے پیر دوڑتی ہوئی چلی آئی۔ثُریا کی حالت دیکھ کر اس نے فوراً اس کو گود میں اٹھالیا اور اپنے گھر پہنچایا۔چوٹ کی مرہم پٹی کی جمال بھی ثُریا کا سر دبانے لگا۔جب تک ثُریا کو ہوش نہ آیا جمال روتا رہا وہ بار بار ثُریا کے پیروں کو اس کے ماتھے کو چوم رہا تھا۔

"بیٹے صبر کرو یہ ابھی ہوش میں آجائیگی۔" جمال کی ماں فاطمہ نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔جب ثُریا ہوش میں آئی تو اس نے سب سے پہلے جمال کو دیکھا۔

"جمال۔!ثُریا نے اسے پکارا۔

"ثُریا۔!" جمال نے اسے جواب دیا۔

دونوں روتے روتے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"اب ہم کبھی ایک دوسرے سے نہیں لڑیں گے۔" دونوں نے فیصلہ کیا۔

اس واقعہ نے دونوں کو احساس دلایا کہ وہ آپس میں محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر جی نہیں سکتے۔جوں جوں لڑکپن کے دن گزرنے لگے اور جوانی کی کونپلیں پھوٹنے لگیں انکی محبت کی گہرائیوں کا احساس ہونے لگا۔

دونوں نے ایک ساتھ اسکول میں پی۔یو۔سی پاس کرنے کے بعد الگ الگ کالجوں میں داخلہ لیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلے دن، جب جمال کالج میں ثُریا کے بغیر رہا تو اسے عجیب سی تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ وہ سارا دن بے چین سا رہا۔

"میں ثُریا کے بغیر جی نہیں سکتا۔!" جمال اپنے آپ سے کہنے لگا۔ کالج میں یہ اس کا پہلا دن تھا لیکن وہ پہلے ہی کلاس میں ثُریا کے بغیر بے چینی محسوس کرنے لگا پروفیسر نے اسے کئی بار ٹوکا لیکن وہ اپنے ذہنی انتشار کو چھپا نہ سکا۔

"پروفیسر صاحب مجھے کلاس سے باہر جانے کی اجازت دیجئے۔ یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔" جمال نے پروفیسر سے اجازت مانگی۔

جمال کے بولنے کا انداز اتنا پر اعتماد تھا کہ پروفیسر اسے روک نہ سکا۔ اس کے سامنے جمال کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا تھا۔ تعلیم کھیل کود، مباحثوں وغیرہ میں اس نے امتیازی سندیں حاصل کی تھیں۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا طالب علم تھا۔ پروفیسر نے اسے روکنا مناسب نہ سمجھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا جاؤ۔ جاؤ باہر تھوڑی دیر جی بہلا کر آؤ۔" اس نے جمال سے کہا۔ جمال کلاس سے باہر نکل کر کالج کے لمبے میدان کے بیچ کھڑے ہو کر سامنے زنانہ کالج کی طرف گھورنے لگا۔ جہاں اُسکی ثُریا پڑھ رہی تھی۔

جمال اس عمارت کیطرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسکی رقیب ہو۔ وہ مدہم رفتار میں اس عمارت کی جانب بڑھنے لگا۔ اس کے کالج اور ثُریا کے کالج کے بیچ ایک لمبی دیوار تھی۔ جمال کو یوں لگا جیسے دیوار کے اس پار بھی ثُریا اس کی جانب اسی طرح بڑھ رہی تھی۔ اس سوچ سے اس کی رفتار میں تیزی آگئی۔ اچانک وہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ یہ دیوار تھی۔ اینٹوں اور پتھروں سے بنی سخت دیوار۔ ثُریا سے ملنے کی خواہش اتنی زیادہ تھی کہ جمال کالج کے اصولوں اور قاعدوں کو بھول گیا۔ اسنے بغیر کسی جھجک کے وہ اونچی دیوار پھاند لی۔ وہ اب زنانہ کالج کے خوبصورت میدان میں سفید وردی میں ملبوس سینکڑوں لڑکیوں کے درمیان تھا۔ جمال کو اس طرح دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ کر ساری لڑکیاں شور مچاتی ہوئی بھاگ گئیں۔ ان لڑکیوں میں ثُریا بھی تھی لیکن وہ جمال کو دیکھ کر رک گئی اور ہانپتی ہوئی جمال کے پاس پہونچی۔

"جمال تم یہاں کیسے آگئے۔؟" اس نے جمال سے پوچھا۔ ثُریا کو دیکھ کر جمال کے دل

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں اور ذہن میں خوشیوں کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اس کی آنکھیں ٹکٹکی باندھے ثریا کو گھور رہی تھیں۔ وہ اس طرح ثریا کو دیکھ رہا تھا جیسے کہ ثریا اسے ہزاروں سال کے بعد ملی ہو۔

جمال۔ تمہیں کیا ہوگا۔ کیوں آگئے ہو یہاں؟" ثریا نے اس سے دوبارہ پوچھا۔ ثریا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا یہ کہکر جمال نے ثریا کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ نسوانی حیا نے اس کے پھول جیسے رخساروں پر شفق جیسی سرخی پھیلا دی۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"جمال یہ کالج ہے کیا مجھے تم یہاں سے نکلوانا چاہتے ہو۔" اس نے کہا۔

"ثریا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں بے حد چاہتا ہوں تمہارے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔" جمال ثریا پر اپنی محبت نچھاور کرنے لگا۔ وہ ان لڑکیوں سے بے خبر تھا جو ان کو گلے لپٹتے دیکھ کر پہلے شرمائیں اب وہ دوبارہ انتظار کرنے لگیں کہ وہ کب ایک دوسرے سے لپٹ جائیں۔

"جمال یہ تمہاری محبت نہیں بلکہ میری بدنامی ہے۔" ثریا نے تنک لہجے میں کہا۔

"ثریا مجھے نہیں معلوم کہ محبت اور بدنامی میں کتنا فرق ہے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ آج پہلے ہی دن کلاس میں مجھے تمہارے بغیر ایک عجیب سی بے چینی کا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے کہ میں بالکل تنہا ہوں۔ میں پروفیسر کی ایک بات بھی سمجھ نہ سکا۔ میں فوراً کلاس سے باہر آیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون سی طاقت تھی جو مجھے تمہارے پاس لے آئی۔ لیکن خوش ہوں کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا۔ دیکھ ثریا مجھے چین مل گیا سکون کا احساس ہونے لگا۔" جمال نے ثریا سے کہا۔

اتنی دیر میں کالج میں ایک ہنگامہ اُٹھ گیا۔ کالج کی پرنسپل تمام اسٹاف سمیت وہاں پہنچی۔ ثریا اور جمال نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو پرنسپل اور اسکا سارا اسٹاف انکے قریب پہنچ چکا تھا۔ ثریا جمال کو وہیں چھوڑ کر بھاگ گئی۔

"بدمعاش لڑکے۔ تم نے یہاں اس طرح آنے کی جراءت کیسے کی۔" پرنسپل مسز شمع نے جمال سے کہا۔

"پرنسپل صاحبہ۔ آپ میرا نام ادب سے لیجئے۔ میں جمال ہوں اور میں اپنی بے عزتی کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ میں یہاں ثریا سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ ثریا اور میں بچپن سے ایک ساتھ پلے ہیں۔ ہم کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں ملتا۔ آج چونکہ ثریا کے بغیر یہ میرا پہلا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دن تھا اس لئے میں اس سے ملنے چلا آیا میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے اس طرح ملنے سے آپ پر کیا برا اثر پڑا ۔ ٹھیک ہے میں آپ کی بزرگی کا لحاظ کرکے میں اس وقت جاتا ہوں لیکن یہ یاد رکھیئے کہ دنیا کی کوئی طاقت جمال کو ثُریا سے ملنے کے لئے روک نہیں سکتی ۔ کوئی ایسا قانون نہیں بن سکتا جو ثُریا اور جمال کے درمیان دیوار قائم کرے ۔ جمال ہر دیوار مسمار کردیگا ۔ میں اس وقت جاتا ہوں ۔ خُدا حافظ ۔"

جمال یہ کہہ کر دیوار پر چڑھ گیا اور ایک ہی جست میں اسے پھلانگ کر اپنے کالج کے میدان میں پہونچ گیا ۔

چند لمحوں کے لئے کالج کی پرنسپل مسز شمع اس لڑکے کے انداز بیان سے متاثر ہوئیں کالج کی دوسری لڑکیاں ۔ جو دور سے ہی جمال کی باتیں سن رہی تھیں اس کی بہادری اور دلیری کی تعریفیں کرنے لگیں ۔ وہ اسے ہیرو سمجھنے لگیں ۔

جمال اپنے کالج میں پہنچ کر خود کو پرسکون محسوس کرنے لگا ۔ اس کے چہرے پر مخصوص دلکش مسکراہٹ دوبارہ نمودار ہوئی ۔ وہ ایک نئی شان کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا ۔ جمال کو واپس آتے دیکھ کر پروفیسر خوش ہوکر کہنے لگا ۔

"جمال میں ابھی ان لڑکوں سے تمہاری باتیں کر رہا تھا ۔ دیکھو اس کلاس میں میرے ریکارڈ کے مطابق دو لڑکے ذہین ہیں ایک ہے رشید لیکن رشید ہر دم خاموش رہتا ہے میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہ کالج کے سمیناروں جلسوں ، اور مباحثوں میں حصّہ لے لیکن وہ ان سے دور ہی رہتا ہے ۔ تمہاری سندیں اس بات کا ثبوت ہے کہ تم ان میں بڑھ چڑھکر حصّہ لوگے ۔ کل کالج میں چیف منسٹر خصوصی مہمان کے طور پہ آرہے ہیں ۔ اگر تم تیار ہو تو ہم طالب علموں کی طرف سے بولنے کی ذمہ داری تمہیں دینگے ۔" پروفیسر نے جمال سے کہا ۔

"سر مجھے یہ ذمہ داری خوشی سے منظور ہے ۔" جمال نے فوراً کہا دوسرے دن کالج میں ہر طرف جمال کا نام تھا ۔ جمال نے اتنے شاندار انداز میں خصوصی مہمان کے سامنے استقبالیہ تقریر کی کہ سب دنگ رہ گئے ۔ چیف منسٹر نے اپنی تقریر کا بیشتر حصّہ جمال کی تعریفوں میں صرف کیا ۔ پرنسپل خان نے بھی جمال کو ایک قابل فخر لڑکا قرار دیا ۔ جمال کو کالج کا ایوارڈ دینے کا فیصلہ بھی کیا گیا ۔ خصوصی تقریب کے اختتام پر چیف منسٹر نے جمال کو گلے سے لگایا اور پرنسپل

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خان کی بھی بہت تعریفیں کی کہ وہ ایسے لڑکے کو آگے بڑھنے کا مواقع فراہم کرتے ہیں۔ چیف منسٹر کے چلے جانے پر کالج کے پرنسپل کو زنانہ کالج کے پرنسپل کی جانب سے ایک خط ملا۔ خط میں مسز شمع نے جمال کے خلاف کل والے واقعہ پر شکایت درج کی تھی۔ اس نے جمال کو سزا دینے کی درخواست کی تھی۔

پرنسپل خان کو اس خط پر یقین نہیں آیا اس نے مسز شمع کو فون ملایا۔

"ہیلو۔ پرنسپل صاحبہ۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ کل جو بدمعاش لڑکا آپ کے کالج میں زبردستی گھس گیا تھا۔ وہ ہمارے کالج کا جمال تھا۔؟" پرنسپل خان نے دریافت کیا۔

"جی ہاں میں تمام معلومات حاصل کر کے یہ خط آپ کو لکھا ہے۔"

مسز شمع نے جواب دیا۔

"دیکھئیے جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے وہ ہمارے کالج کا ایک قابل فخر لڑکا ہے۔ آج کی تقریب میں چیف منسٹر نے اپنی ساری تقریر میں اس لڑکے کی تعریفیں کیں۔ اگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہو تو آپ اسے دور کر دیجئے۔" مسٹر خان نے اس سے کہا۔

چیف منسٹر کا نام سن کر تو مسز شمع تھوڑی دیر کے لئے گھبرا گئی۔ وہ چونکہ قاعدوں اور اصولوں کی پابند تھی۔ اس لئے اس نے جمال کے خلاف کاروائی کو ضروری سمجھا تھا لیکن جمال کے بارے میں خان صاحب کی تعریفیں سُن کر اس نے معاملے کو زیادہ طول دینا پسند نہیں کیا اس لئے اس نے فوراً خان صاحب سے کہا۔

"دیکھیے خان صاحب میں اس طرف سے اس معاملے کو یہیں پر ختم کرتی ہوں آپ خود اس معاملے کو نبھائیے۔ جمال کے کان بھی کھینچ لیجئے تاکہ وہ دوبارہ ایسی غلطی نہ کرلے۔" یہ کہہ کر اس نے فون چھوڑ دیا۔

خان صاحب نے فوراً جمال کو کمرے میں بلا کر کہا۔

"دیکھو جمال۔ تمہارے خلاف ایک ایسی شکایت آئی ہے کہ تمہیں کالج سے نکالے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن آج کی تقریب میں تم نے جس طرح اپنی ذہانت کا مظاہرہ کیا اس سے میرے دل میں تمہارے لئے محبت پیدا ہو گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے کالج کے اچھے لڑکے بنو اور ان لڑکوں میں شامل مت ہو۔ جو ہر بار زیادہ ہنگامے کرتے رہتے ہیں۔ اسٹرائیک کرنا۔ جن کا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معمول بن گیا راستوں اور سڑکوں پر لاء اینڈ آرڈر کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ وہ لڑکے ہیں جن کو مکار سیاستدان اپنے نیچ اور گھناؤنے مفادات کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔ میں تو تم میں ایک قابل فخر لڑکے کو دیکھ رہا ہوں ۔ خیر ۔ میں اس وقت تم کو کل کی حرکت پر معاف کرتا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ تمہارے خلاف کوئی شکایت نہیں آئے گی ۔"

اس واقعہ کے بعد جمال نے ثُریا سے ملنے کے لئے کالج میں زبردستی گھسنے کا راستہ اختیار نہیں کیا ۔ وہ کالج سے باہر ہی ملتے تھے دن گزرنے کے ساتھ ساتھ انکے ملنے کا سلسلہ بھی کم ہونے لگا ۔ دن مہینوں میں بدل گئے اور مہینے سالوں میں جمال کی ماں اب زیادہ بیمار رہنے لگی ۔ وہ بڑی کمزور اور لاغر ہوچکی تھی ۔ وہ گھر میں سلائی بھی نہیں کر سکتی تھی ۔ جب گھر میں بھوک اور فاقے ستانے لگے تو جمال کالج سے نکل کر ایک مقامی فیکٹری میں کام کرنے لگا ۔ اسی آمدنی سے گھر چلتا تھا ۔ ثُریا کو دیکھنے کا موقع اب جمال کو بہت کم ملتا تھا ۔ لیکن اس سے جمال کے دل کی تڑپ اور اضطراب میں زیادہ اضافہ ہو رہا تھا ۔

ایک دفعہ وہ اپنی ماں کے پاؤں دبا رہا تھا کہ اس کی ماں نے اپنی گردن سے ایک لاکٹ نکال کر جمال کے حوالہ کیا ۔

"یہ کیا ہے ماں ۔؟" جمال نے اس سے پوچھا ۔

بیٹا یہ تمہاری بد نصیب ماں اپنی بہو کے لئے کچھ نہ رکھ سکی یہ صرف ایک پیتل کا لاکٹ ہے ۔ اگر میں زندہ نہ رہی تو یہ لاکٹ ایک نشانی کے طور پر میری بہو کو دینا ۔ میری دُعائیں اس لاکٹ کے ساتھ ہیں ۔" جمال کی ماں فاطمہ نے نحیف سی آواز میں کہا ۔

جمال نے اپنی ماں سے کچھ نہیں کہا ۔ وہ کسی بھی طریقے سے اپنی ماں کو دکھ نہیں پہونچانا چاہتا تھا ۔ نہ اس کا دل توڑنا چاہتا تھا ۔ اس نے خاموشی سے وہ لاکٹ لے لیا ۔ اور اپنی جیب میں رکھ لیا ۔

دوسرے دن وہ ثُریا سے ملا ۔ ثُریا کہیں جا رہی تھی اس نے نفیس کپڑے پہنے تھے ۔ اس کا سارا جسم حُسن سے نکھرا ہوا تھا ۔ جمال نے اسے پکارا ۔ جمال کی آواز سُن کر وہ رک گئی ۔

"کہاں جا رہی ہو ۔؟" جمال نے اس سے پوچھا ۔

"جمال میں اپنے چاچا کے ساتھ سوپور جا رہی ہوں ۔" ثُریا نے جواب دیا ۔ وہ بہت خوش تھی ۔ جب بھی تمہارا چاچا خضر تمہیں سوپور لے جاتا ہے کہ تم بہت خوش دکھائی دیتی ہو سوپور

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں اتنی خوشی کی بات کیا ہے۔؟" جمال نے ثُریا سے پوچھا۔

"جمال سوپور میں میرے چاچا کا ایک دوست ہے سلام۔ وہ بڑا رئیس آدمی ہے اس کے پاس لاکھوں کروڑوں کی دولت ہے۔ چار چار گاڑیاں، شاندار بنگلے اور ڈھیر سا سونا۔ وہ آج کل راجباغ میں بھی ایک عالیشان حویلی تعمیر کر رہا ہے سلام جیسا رئیس میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا ہے۔ میں اور چاچا جب اس کے گھر جاتے ہیں تو وہ بڑی بڑی دعوتیں کرتا ہے مجھے اپنی لمبی سُرخ کار میں گھماتا ہے۔ بڑا مزا آتا ہے اس کے ساتھ گھومنے میں۔ جمال۔ زندگی کا اصل مزا سلام نے حاصل کیا ہے وہ پانی کی طرح دولت خرچ کرتا ہے لیکن پھر بھی دولت کم نہیں ہوتی۔" ثُریا سلام کی دولت کے بارے میں کہنے لگی۔

"ثُریا۔ مجھے سلام اور اس کی دولت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو آج صرف تم سے ملنا چاہتا ہوں مجھے کسی اور کے بارے میں کچھ سننا نہیں ہے۔ میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" جمال نے اس سے کہا۔

"جمال وہ اندر چاچا میرا انتظار کر رہا ہے میں آج اس کے ساتھ سوپور جا رہی ہوں۔ سلام نے ہم کو دوپہر کے کھانے پر بلایا ہے۔ دیکھ جمال اگر ہم وہاں نہ گئے تو وہ ناراض ہو جائے گا۔" ثُریا جمال کو سمجھانے لگی۔ جمال کے تیور اچانک بدل گئے چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"دیکھ ثُریا۔ میں آج تم سے مل رہا ہوں اور مجھے تم سے ملنا ہے میں کسی سلام کے ناراض ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔ تم اندر جاکر چاچا سے کہو کہ تم جمال کے ساتھ جا رہی ہو۔ جاؤ جلدی کہہ دو۔" جمال نے ثُریا سے کہا۔ ثُریا نے جمال کے جو تیور دیکھے وہ صاف کہہ رہے تھے کہ جمال کسی صورت میں "نہیں" سُننے کے لئے تیار نہیں۔ ثُریا جانتی تھی جمال اسے آج مل کر ہی رہیگا اس کو روکنے کی طاقت کسی میں نہیں۔

"ٹھیک ہے جمال میں چاچا کو منانے کی کوشش کروں گی"۔ ثُریا نے کہا۔

"تم چاچا سے یہ بھی کہنا کہ تمہیں جمال سے ملنا ہے۔" جمال نے اس سے کہا جمال کی اس بات کا جواب ثُریا نے نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اندر چلی گئی اور چاچا سے کہنے لگی کہ وہ سوپور نہیں جاسکتی چاچا نے کھڑکی سے پہلے ہی جمال کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ جمال نے ثُریا کو سوپور نہ جانے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن خضر کھانڈے نے اس وقت خاموش رہنا ہی پسند کیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"چاچا۔ مجھے آج کالج کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے جانا ہے میں سلام کی دعوت پر نہیں جاسکتی جاسکتی آپ وہاں جاکر ان سے کہہ دیجئے کہ میں کل آؤں گی۔" ثُریا نے چاچا سے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹی جاؤ۔ لیکن جلدی واپس آنا۔" خضر کھانڈے نے اس سے کہا باہر دروازے پر جمال کھڑا ثُریا کا انتظار کر رہا تھا۔ جمال کی رگ رگ میں ثریا کے بسی ہوئی تھی۔ جمال کے جسم کا حصّہ اگر کوئی کاٹ کر الگ پھینکے تو شاید جمال کو اتنی تکلیف نہیں ہوگی جتنی تکلیف اسے ثریا کے دور رہنے سے ہوتی تھی۔ اس نے بچپن سے اگر کسی کو اپنے وجود میں سمولیا تھا تو وہ ثُریا تھی۔ ثُریا جمال کی روح میں۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں۔ اس کے نفس نفس میں بسی ہوئی تھی۔

جب ثُریا چاچا سے اجازت حاصل کر کے باہر نکلی تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ تھی جمال نے باہر ثُریا کا استقبال کیا۔

"ثُریا آج ہم دونوں جھیل کے کنارے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھیں گے۔"

جمال نے ثُریا سے کہا۔

"ٹھیک ہے جمال آج میں تمہارے ساتھ کسی بھی جگہ جانے کے لئے تیار ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔" ثُریا نے کہا۔

"شرط۔؟" جمال نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"جی ہاں تم بار بار مجھے اس طرح پریشان نہیں کروگے۔" ثُریا نے اس سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔؟ کیا تم مجھ سے ملکر پریشان ہوتی ہو۔" ؟ جمال نے ثُریا سے پوچھا۔

"نہیں جمال ایسی بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں اپنے چاچا کے دوستوں کا احترام کرتی ہوں اور اگر کسی وجہ سے یہ احترام ٹوٹ جائے تو میں واقعی پریشان ہوجاؤں گی۔" ثُریا نے کہا۔

جمال اس معاملے پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے فوراً کہا۔

"ثُریا آج میں تمہارے مُنہ سے محبت کے بغیر دوسری کوئی بات سُننا نہیں چاہتا چلی آؤ۔"

میرے ساتھ محبت کے لمحے زندگی میں بہت کم ملتے ہیں۔

دونوں بیلوارڈ روڈ پر ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل رہے تھے۔ جھیل ڈل کا صاف و شفاف پانی بیلوارڈ روڈ کے کناروں کو چوم رہا تھا۔ سامنے زبرون کا خوبصورت پہاڑ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنی عظمت کے گیت گا رہا تھا سفید اور کالے بادل زبرون کی چوٹی کے گرد مستی کے عالم میں رقصاں تھے۔ کوہ سلیمان سے جھانکتی ہوئی صدیوں کی چٹانیں ثُریا اور جمال کو ایک ساتھ دیکھ کر اس محبت کی گونجدار آواز کی بازگشت سُنا رہی تھی جو ان کی سنگلاخ سطحوں کے ساتھ صدیوں سے ٹکراتی آئی ہیں۔

نشاط باغ اور شالیمار میں کُھلے مُسکراتے پھول ثُریا اور جمال کی دھڑکنوں کو پناہ دینے لگے بیلوارڈ روڈ پر بہت دیر تک یوں ہی ایک ساتھ چلتے چلتے دونوں کی محبت کی لائی ہوئی دنیا میں پہنچ گئے۔ جھیل ڈل کی شفاف سطح پر دونوں کے عکس لہرا رہے تھے۔ سورج آہستہ آہستہ دور پہاڑوں کی اوٹ میں ڈوب رہا تھا اور جھیل ڈل کا سارا پانی ڈوبتے سورج کی سرخی میں رنگ گیا۔ جھیل ڈل کے ایک مخصوص خوبصورت کنارے پر بیٹھے جمال اور ثُریا سورج کے ڈوبنے کا عکس جھیل ڈل کی گہرائیوں میں دیکھ رہے ہیں۔

"جمال سورج ڈوبتا کیوں ہے۔ یہ ہر پل چمکتا کیوں نہیں۔" ثریا نے جمال سے معصوم انداز میں پوچھا۔

"ثُریا۔ زندگی کی اصل زندگی کی اصل حقیقت ڈوبنے میں ہے اُبھرنے میں نہیں۔" جمال نے ثُریا کو جواب دیا۔

"جمال میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتی۔ ابھرنا اور پھر ابھر کر چمکنا ہی تو اصل حقیقت ہے۔ انہی لوگوں کا تو دنیا میں نام ہے۔ جو آسمان پر سورج کی طرح چمکے وہی لوگ عزت کے قابل ہیں۔ جو دنیا میں سورج کی طرح چمکنا جانتے ہو۔"

لیکن کوئی آسمان پر ہمیشہ کے لئے سورج بنکر ہٹ نہ سکا۔ ثُریا یہ آسمان کسی کا نہیں ہے۔ تو بس ایک سراب ہے جو کسی پیاسے کا ساغر نہیں بن سکتا۔ اس ڈوبتے سورج کی طرف دیکھ لو یہ دراصل آسمان کی وسعتوں میں بھٹک گیا تھا۔ آسمان میں راہوں کی تلاش میں تنہا اِدھر اُدھر بے مقصد گھوم رہا تھا۔ ہم تو خوامخواہ اس کے آسمان پر چمکنے کو اس کا عروج سمجھ رہے تھے۔ وہ تو دراصل اس کا زوال تھا۔ اس وقت یہ سورج اپنی کسی بھی راہ کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ لیکن اب دیکھو اس نے اپنی راہ پالی۔ اس وقت یہ سورج ڈوب رہا ہے کیونکہ یہ آسمان کی تنہائیوں اور بھول بھلیوں نے اسے بہت کچھ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سکھا دیا۔ اس کا ڈوبنا اس بات کی ضمانت ہے کہ اس نے حقیقت کا راستہ اپنالیا۔ جمال ڈوبتے سورج کی طرف اشارہ کرکے ثُریا سے کہہ رہا تھا۔

"جمال تمہاری باتیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناقابل فہم بنتی جارہی ہیں میں تو غیاں اور کھلی چیزوں پر بھروسہ رکھتی ہوں۔ میرے سامنے سونا سونا ہے اور مٹی مٹی میں مٹی کے اندر چھپے ہوئے سونے کو دیکھنے کی فضول کوشش کبھی نہیں کروں گی نہ میں کبھی سونے کو مٹی کا نام دیکر ٹھکرا دوں گی۔" ثُریا نے کہا۔

"ثُریا چھوڑ دو اس لمبی بحث کو۔ جانتی ہو تمہیں میں نے یہاں کیوں بلایا؟۔" جمال نے اس سے کہا۔

"اس لئے تاکہ میں چاچا کی نظروں کے سامنے گر جاؤں۔" ثُریا نے کہا۔

"چاچا۔ چاچا۔ چاچا۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پچھلے کئی مہینوں سے تم چاچا چاچا کی رٹ لگا رہی ہو۔ بھول گئی کہ تمہارے چاچا نے تمہیں کتنی تکلیفیں دیں تمہیں۔ کتنا دکھ پہنچایا گیا تمہیں مارتے وہ تھے اور آنسو صاف کرتی تھیں میری ماں۔ آج ماں بیمار ہے اور تم۔ تم۔" جمال کو غصہ آگیا۔ اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"جمال تمہیں خواہ مخواہ غصہ آگیا میں تو بس یونہی چاچا کی بات کرتی تھی۔ یہ لو میں اپنے دونوں کان پکڑتی ہوں۔ مجھے معاف کرلو۔" ثریا نے اپنے کان سچ مچ پکڑ لیے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔

جمال تھوڑی دیر یوں ہی ثریا کی طرف دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر اُبھرا جلال بھی تھمنے لگا۔

"ثُریا میں آج تمہیں اپنی زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ آج میں تمہیں وہ امانت دینا چاہتا ہوں جو میری ماں نے مجھے دی ہے۔" اس کے ساتھ ہی جمال اپنی جیب سے وہ لاکٹ نکالنے لگا جو اس کی ماں نے دیا تھا۔

ثُریا خاموشی سے جمال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

جمال نے اپنی جیب سے وہ لاکٹ نکالا۔ وہ معمولی پیتل کا لاکٹ تھا۔ جمال اس لاکٹ کو ثُریا کے سامنے لہرانے لگا۔ جھیل ڈل کی سرخ سطح پر بھی اس لاکٹ کا عکس جھلملا رہا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ثُریا یہ لاکٹ معمولی پیتل کا لاکٹ ہے۔ سونے چاندی کا لاکٹ نہیں ہے یہ۔ لیکن یہ میری ماں کا تحفہ ہے۔ اس میں میری ماں کی دُعائیں چھپی ہوئی ہے۔ اس لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز میرے سامنے انمول نہیں ہوسکتی۔ میری ماں نے کہا ہے کہ میں اپنی دُلہن کو یہ پہناؤں۔ میری محبت کی دُلہن تو تم ہی ہو۔ میں ہر پل اور ہر گھڑی تمہارے سراپا کو اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کے سُرخ جوڑوں میں سجاتا رہتا ہوں یہ پیتل کا لاکٹ تمہیں پیش کرتے وقت مجھے اتنی ہی خوشی محسوس ہورہی ہے جتنی خوشی شاہجہاں نے تاج محل کو اپنی محبت کے نام پیش کرتے ہوئے محسوس کی ہوگی۔ میں خوش ہوں کیونکہ میرے ساتھ تم ہو۔ میرے اوپر تمہاری محبت کا سایہ ہے اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہئیے۔ حقیقی خوشیاں ہی ہر ایک کی منزل ہے لیکن بہت سارے انجان لوگ ان خوشیوں کو اپنے ہی پیروں تلے روندھ کر انہی کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔" جمال نے ثُریا سے کہا۔

ثُریا جمال کی آنکھوں میں چھپی محبت کی سچائی میں کھونے لگی۔ وہ محسوس کرنے لگی کہ یہی سچائی اس کی منزل ہے۔

"آؤ ثُریا میرے قریب آجاؤ۔ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں یہ لاکٹ پہناؤں گا۔" جمال نے اس سے کہا۔

"ثُریا اس کے قریب آگئی۔ بہت قریب۔" جمال اس پر جھک گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ ثریا کی صراحی دار گردن کے گرد محبت کا لاکٹ باندھ دیا۔

"جمال۔!" ثُریا کے دل سے محبت کی سسکی اُبھری۔

"ثُریا۔!" جمال کے تپتے ہونٹ ثُریا کے سرخ ہونٹوں میں پیوست ہوگئے۔ جھیل ڈل کی گہرائیاں ان کو اپنی گود میں پناہ دینے کے لئے مچلنے لگیں۔

سورج آہستہ آہستہ ڈوبنے لگا۔ محبت کی حسین ملاقات بھی اندھیری بانہوں میں دم توڑنے لگی۔

اس واقعے کے فوراً بعد حالت تیزی سے بدلنے لگے۔ خضر کھانڈے اپنے گھر کے تمام افراد سمیت سوپور منتقل ہوا۔ وہاں وہ سب سلام کی ایک عالیشان کوٹھی میں رہنے لگے۔ سلام کی شان و شوکت سونے کی چمک دمک ثُریا کو اپنی طرف اس طرح کھینچنے لگی جس طرح مقناطیس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لوہے کے ذرات کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ہر شام سلام سونے کا ایک ایک خوبصورت سیٹ ثُریا کو تحفے میں پیش کرتا تھا جمال کا دیا ہوا پیتل کا لاکٹ سونے کے حسین زیورات کے نیچے دبنے لگا۔ اب ثُریا بھی محسوس کر رہی تھی کہ اس کا حُسن نکھر آیا ہے اسکا دل کئی بار جمال سے ملنے کے لئے مچلنے لگا۔ وہ جمال کے سامنے اپنے حُسن کا مظاہرہ کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ جمال محبت بھرے میٹھے الفاظ میں اس کے حُسن کی تعریفیں کرے۔ لیکن وہ جمال کے سامنے جانے کی ہمت نہیں کر رہی تھی۔

"ثُریا۔ سلام کے تحفے قبول کر کے تم جمال کی محبت کے ساتھ دھوکا کر رہی ہو۔ سلام کا مقصد کچھ اور ہے۔" ثُریا کا ضمیر کئی بار چیخ اٹھا تھا لیکن ثُریا نے ہر بار ضمیر کی اس آواز کا گلا گھونٹ دیا۔ ثُریا کو سلام کی دولت میں اس کی شان و شوکت میں اپنے حسین خواب دکھائی دے رہے تھے۔ ان خوابوں میں ایک ہی کمی تھی وہ تھی جمال کی۔ جمال اور یہ ساری دولت اگر ایک ساتھ ہوتی تو ثُریا خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت عورت سمجھتی۔ مگر اب یہ ممکن نہ تھا۔ جمال پیسے پیسے کا محتاج تھا۔ پہلے اس کی ماں کپڑے سی سی کر گھر چلاتی تھی اس کے بیمار ہونے کے بعد وہ ذریعہ بھی نہ رہا۔ اب جمال کے پاس غربت کی آہوں سڑی سوکھی روٹیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جب بھی سلام کی شاندار حویلی میں کئی خوبصورت شاہانہ مسہری پر لیٹے ثُریا جمال کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کے متعلق سوچ رہی تھی تو اسے بھوک کشمکش آنسوؤں کے بغیر کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ غربت تو ثُریا نے بچپن سے دیکھی تھی۔ لیکن سلام کی دولت نے اسے زندگی کی حقیقتوں سے متعارف کروایا۔ اگر ثُریا کے پیر میں کانٹا بھی چبھ جاتا تو ڈاکٹروں کی قطار لگ جاتی تھی۔ جمال کی ماں کئی مہینوں سے بیمار تھی اور جمال اس کے لئے ایک کمپونڈر کا بھی انتظام نہ کر سکا۔ یہی سوچتے سوچتے ثُریا جمال سے بہت دور ہوتی جا رہی تھی۔ اور پچاس سال کا بوڑھا سلام اس کے قریب آ رہا تھا۔

سرینگر میں جمال کے لئے ثُریا کی جدائی ناقابل ہوتی چلی جا رہی تھی وہ اپنی کھڑکی سے بار بار خضر کھانڈے کے گھر کیطرف دیکھتا تھا لیکن وہاں دروازے پر لگا تالا اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"ثُریا بہت جلد واپس آئے گی۔" جمال خود ہی اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔ دن ہفتوں میں بدلنے لگے اور ہفتے مہینوں میں لیکن ثُریا واپس نہیں آئی جمال کی ماں کی بیماری

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"بیٹا مرنے سے پہلے میری بس ایک ہی خواہش ہے کہ تمہیں دُلھا بنا دیکھ لوں۔"

ماں نے حسرت بھری آواز میں جمال سے ایک دن کہا۔

"ماں ابھی تم ہزاروں سال زندہ رہوگی۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔" جمال اپنی ماں کو تسلی دینے لگا۔

"نہیں۔ جمال۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے مرنے کا وقت بہت قریب آچکا ہے۔ بس اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بہو کو دیکھ کر مرجاؤں تو سکون ملے گا۔" اس کی ماں نے اس سے کہا۔

"ماں ایک بات کہوں۔!" جمال نے بیمار ماں سے کہا۔

"ہاں کہو بیٹا۔!" فاطمہ نے کھانستے ہوئے کہا۔

"ماں میں نے تمہاری بہو کو ڈھونڈ لیا ہے۔" جمال نے پہلی بار ماں کے سامنے کہا۔

"سچ!" لاغر فاطمہ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔

"ہاں ماں۔ میں ثُریا سے شادی کرنے والا ہوں۔" جمال نے کہا۔

"آؤ جمال میں تمہارا ماتھا چوم لوں۔" ماں نے حسرت بھری آواز میں کہا اس کے ساتھ ہی جمال کے سر کو پکڑ کر قریب لایا اور اسکے ماتھے پر ممتا سے بھرپور ایک بوسہ ثبت کردیا۔

"چلو بیٹا میں آج ابھی ثریا کے گھر جاکر اسے اپنے لئے مانگوں گی۔ نِکاح جلد پڑھ لو پھر دیر ہوجائے گی اور میری حسرت میرے ساتھ قبر میں دفن ہوجائے گی۔" ماں نے کہا۔

"لیکن ماں وہ تو سوپور گئے ہوئے ہیں پچھلے کئی مہینوں سے واپس نہیں آئے۔" جمال نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ سوپور میں وہ کہاں ہوں گے۔ ماں نے جمال سے پوچھا۔ ماں میں نے سُنا ہے کہ سوپور میں ایک بڑا سرمایہ دار آدمی سلام ثُریا کے چاچا خضر کھانڈے کا گہرا دوست ہے۔ وہ سب اس کے پاس رہتے ہوں گے۔" جمال نے جواب دیا۔

"تو چلو جمال ہم وہیں جاتے ہیں۔ میں انتظار نہیں کرسکتی۔" فاطمہ ضد کرنے لگی۔

"نہیں ماں۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ تم تھوڑی سی صحت یاب ہوجاؤ پھر ہم وہاں جائینگے۔"

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال نے کہا۔

"جمال میں آج تک تمہاری ہر ضد پوری کرتی آئی ہوں۔ آج تم کو میری ضد پوری کرنی ہوگی۔ آج ہم دونوں سوپور جائیں گے۔ میں اپنی بہو ثُریا کو اپنے ساتھ لاؤں گی۔ پھر دیکھنا جمال میں کس طرح خوشی خوشی مرجاؤں گی۔" ماں نے جمال سے کہا۔

جمال ماں کو روک نہ سکا۔ اس کا دل بھی ثُریا سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ دوسرے دن ماں اور بیٹا سوپور جانے والی بس میں سوار ہوئے۔ سوپور میں سلام کا پتہ انہیں فوراً معلوم ہوا۔ وہ سلام کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ جونہی وہ اندر پہنچے انکی نظر خضر کھانڈے پر پڑی وہ ان دونوں کو یوں اسطرح کوٹھی کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ دونوں کی نظر بچاکر بھاگنے ہی والا تھا۔ کہ جمال کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"چاچا۔ چاچا۔" جمال پکار اٹھا۔

ہاں۔ ہاں۔ جی ہاں۔ ارے۔ ارے تم دونوں۔ یہاں۔ تم جمال۔ یہاں کیسے۔؟ کیوں۔؟ کب۔ خضر کھانڈے کی زبان اس کا ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی۔

ابھی خضر کھانڈے ان سے بات ہی کر رہا تھا کہ اندر برآمدے سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی نمودار ہوا۔ اس کا لباس۔ اس کے چلنے کا ڈھنگ اور اس کے بولنے کا انداز خود ہی اس کا تعارف کرا رہے تھے کہ وہی خواجہ سلام ہے۔

"کون ہیں یہ دونوں۔؟" سلام جمال اور اسکی ماں کو دیکھ کر خضر کھانڈے سے کہنے لگا۔

"یہ۔ یہ۔ ہاں۔ یہ تو شہر میں ہمارے ہمسایہ ہیں۔ قریبی ہمسایہ ہم ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ میرا مطلب ہے کہ ان کا مکان ہمارے مکان کے بالکل ساتھ ہے۔" خضر کھانڈے کے مُنہ میں جو بھی بات آرہی تھی وہی کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے انکو اندر لاؤ۔ ان کی عزت کرلو۔ ہم کو مبارک باد دینے آئے ہونگے۔ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ثُریا کا ہر ہمسایہ ہمارا خاص مہمان ہے۔" سلام بالکل شہنشاہی انداز میں بات کر رہا تھا۔

ثُریا کا نام سلام کے مُنہ سے سُن کر جمال کے بدن میں چند لمحوں کیلئے آگ لگ گئی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"کون ہوتا ہے یہ آدمی اس طرح میری ثُریا کا نام زبان پر لانے والا۔؟" جمال کے ذہن سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ لیکن پھر سلام کی عمر کے بارے میں سوچ کر جمال نے کوئی بات نہیں کہی۔ پھر بھی اس نے تیز نگاہوں سے سلام کو دیکھ لیا سلام ان نگاہوں کی تیزی برداشت نہ کرسکا۔ ایک لمحے کے لئے اسنے اپنے سارے بدن میں ایک سنسنی سی محسوس کی لیکن پھر دوبارہ سنبھل گیا۔

"آئیے۔ آپ دونوں آئیے۔ اندر آئیے" سلام انہیں اندر ڈرائینگ روم میں لے گیا۔ ڈرائینگ روم سے ہی سلام نے آواز دی۔ سلام کی آواز سنتے ہی ثُریا دوڑتی ہوئی آنے لگی۔ جوں جوں ثُریا دوڑتی ہوئی آنے لگی۔ جوں جوں ثُریا کے قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آتی جارہی تھی۔ جمال کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہونے لگا۔

پھر اچانک ثُریا کمرے میں داخل ہوئی۔ حسین و جمیل ثُریا۔ شباب اور مستی سے بھرپور۔ کمرے میں جمال اور فاطمہ کو دیکھ کر ثُریا ڈرائینگ روم کی دہلیز پر تھم گئی۔

"ثُریا۔!" جمال کے مُنہ سے محبت کی پکار نکلی۔ یہ پکار دل کی گہرائیوں سے اُبھر کر آئی تھی۔ اس میں جدائی کی تڑپ تھی محبت کی شگفتگی تھی عشق کی شعلگی تھی۔ اس پکار میں عبادت کا تاثر تھا۔ بندگی کا پیام تھا۔

ثُریا ان دونوں کو دیکھ کر واپس جانا چاہتی تھی لیکن اسکے قدم ہی نہیں ہل رہے تھے۔

"بیٹی۔ آؤ میرے پاس۔ آجاؤ۔" جمال کی ماں فاطمہ نے اسے پکارا۔

"ثُریا۔ خضر کھانڈے کہہ رہا تھا کہ یہ دونوں ہمسائیے تھے۔ تم ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔" سلام نے جمال اور ثُریا کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے ثُریا سے کہا۔

جمال کو سلام کا ثُریا سے یوں مخاطب ہوکر بولنا اچھا نہیں لگا۔ وہ اپنی زبان کو خاموش نہ رکھ سکا۔

"آپ بیچ میں بولنے کی تکلیف گوارہ نہ کریں۔ میری ماں ثُریا کو اچھی طرح جانتی ہیں۔" جمال نے سلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ آنکھوں کی تیزی سے گھبرا کر سلام نے اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیرلیں۔

"بیٹی۔ آج میں تمہیں اپنی بہو بناکر اپنے گھر لے جانے آئی ہوں۔" جمال کی ماں نے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ثُریا سے کہا۔

"کیا۔!" خضر کھانڈے اور سلام کی آوازیں ایک ساتھ اُبھریں۔

"نہیں۔!" ثُریا اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخی۔ اور وہ کمرے سے بھاگ گئی۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔" ثُریا کی آواز کی گونج بہت دیر تک کمرے میں گونجتی رہی۔

جمال اور اسکی ماں کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ثُریا کے بھاگ جانے کے بعد کمرے میں ایک ویران سا سناٹا چھاگیا۔

"بہادر۔ غفارا۔ مشتاقا۔" سلام نے ایک ہی سانس میں کئی نام پکارے۔ یہ آواز سنتے ہی تین پہلوان نما آدمی فوراً کمرے میں پہنچ گئے۔ جمال اور فاطمہ کی طرف اشارہ کرکے سلام غصے میں گرجتے ہوئے بولا۔

ان دونوں بھکاریوں کو اس کوٹھی کے بڑے گیٹ کے باہر دھکیل دو۔ ان کے چہروں پر تھوک کر ان سے کہہ دو کہ ثُریا سلام کی بیوی ہے۔ سلام سے باضابطہ اس کی شادی ہوچکی ہے۔ سلام کی بیوی کی طرف اگر پھر دوبارہ ان ذلیل لوگوں نے دیکھنے کی کوشش کی یا اس کے بارے میں بات کرنے کی جراءت کی تو یہ لوگ چین سے شہر میں جی نہیں سکتے۔ ان کو اتنا مارو کہ یہ سلام کے گھر میں سلام کی بیوی سے گستاخی کرنے پر زندگی بھر پچھتاتے رہیں۔" یہ کہہ کر سلام کمرے سے باہر نکلا خضر کھانڈے بھی اس کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔

سلام کی باتیں سن کر جمال کا سر چکرا گیا۔ اور ذہن و دماغ میں ایک طوفان سا پیدا ہوا جیسے کسی نے بارود کا ایک پہاڑ جمع کرکے اس کے اندر رکھا تھا اور سلام کی باتوں سے اس میں اچانک آگ لگ گئی۔ اس کا سر گھومنے لگا۔

سلام کے تینوں غنڈے اس کو اور اس کی ماں کو زور سے دھکے دینے لگے جمال سوچنے سمجھنے اور مزاحمت کرنے کی ساری قوت کھوچکا تھا غنڈے اس کو اور بوڑھی فاطمہ کو گھسیٹ رہے تھے اور وہ کچھ نہیں کر پارہا تھا۔

اندر ثُریا نے یہ آوازیں سُنیں۔ وہ باہر آگئی اور اسنے دیکھا کہ سلام کے غنڈے ان دونوں کو لاتیں مار مار کر پتھر کی سیڑھیوں سے نیچے گرا رہے ہیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ دوڑ کر تینوں غنڈوں سے انہیں چھڑا لے جمال کے گلے لپٹ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ وہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واپس جمال کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پھر سے بسانے کی آرزو اس کے دل میں کروٹیں لینے لگی۔ اب وہ پچاس سالہ بوڑھے سلام کی بیوی بن چکی تھی۔ وہ پھسل چکی تھی۔ سونے اور چاندی کے پنجرے میں مقید ہو چکی تھی۔ باہر برآمدے کی آخری سیڑھی پر بہادر نے ایک زور دار لات جمال کے جسم پر مار کر اسے گرا دیا اور جمال بغیر کسی آواز کے نیچے کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ ثُریا یہ منظر دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھی۔

"عفارا۔ یہ کیا وحشیوں کی طرح اسے مار رہے ہو۔"

"اوہ۔ ثُریا۔ تمہارا دل کتنا نرم ہے لیکن کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ ان نیچ لوگوں نے تمہارے محل میں آکر کس طرح تمہاری بے عزتی کی۔ تم تو ملکہ ہو اور ان نیچ لوگوں کو اپنی دریدہ دہنی کی پوری سزا ملنی چاہئیے۔ تاکہ آئندہ یہ معزز لوگوں کی عزت کرنا سیکھیں۔" سلام نے یہ کہہ کر ثُریا کی کمر کے گرد اپنا ایک بازو لپیٹ کر اسے اپنے نزدیک گھسیٹ لیا۔

ثُریا کا سارا وجود ہلنے لگا۔ اپنے آپ کو سلام کی مکروہ گرفت سے چھڑا کر وہ کوٹھی کے اندر بھاگی۔ ایک باتھ روم کے اندر گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی۔ ماتم کرنے لگی اس لالچ پر جس نے اسے جمال سے دور کیا۔ وہ خود اپنی نظروں میں گر گئی۔ اس کا ضمیر پکار پکار کر اسے ملامت کر رہا تھا۔ اسنے معصوم جمال کی معصومیت کا خون کیا۔ اپنا جسم ایک بوڑھے آدمی کے حوالے کیا کیونکہ اسکے پاس سونے اور چاندی کا خزانہ تھا۔ اور جمال کے پاس کچھ نہیں تھا۔ صرف دولت کی خاطر اسنے محبت کو نیلام کیا۔ سلام نے جو سلوک جمال اور فاطمہ کے ساتھ کیا۔ اس کو دیکھ کر وہ دہل گئی۔ معصوم جمال تو ثُریا کا دوسرا روپ دیکھ کر گونگا بن چکا تھا۔ اسنے مُنہ سے کچھ نہیں کہا۔ ثُریا کے دل میں موجود سارا پیار سیلاب بن کر امنڈنے لگا۔

"اُف۔ میں نے کتنا بڑا گناہ کیا۔ میں نے کس طرح اپنے جمال کو کھو دیا۔ کس طرح اپنا ضمیر۔ اپنا ایمان اپنا پیار۔ اپنا جسم بیچ دیا۔ سونے کے ٹکڑوں کی خاطر میں نے جمال سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ سے دھوکہ کیا۔" ثُریا اپنے بال نوچنے لگی۔ اسے چاروں طرف جمال ہی جمال نظر آرہا تھا۔ اس کا سر گھومنے لگا۔ اور وہ باتھ روم میں ہی بے ہوش ہو گئی۔

باہر سلام کے غنڈوں نے جمال اور فاطمہ کو گیٹ سے باہر دھکے دے دے کر بڑا گیٹ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بند کرلیا۔ جمال کے جواں جسم پر زخموں سے خون کی مہندی لگی تھی اور اس کی بوڑھی ماں کا چہرہ سفید ہوچکا تھا۔ وہ دونوں بہت دیر تک وہاں پڑے رہے۔

جب جمال کو ہوش آیا تو وہ ایک مقامی ہاسپٹل میں موجود تھا۔ وہ چاروں طرف حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا لیکن وہ فوراً ہی اسے سب کچھ یاد آگیا۔

"ماں!" جمال چیخ اٹھا۔ وہ اپنی ماں کو چاروں طرف ڈھونڈنے لگا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ تمہاری ماں کل رات انتقال کرگئی۔" قریب ہی کھڑی ایک نرس نے اسے یہ غم ناک خبر سُنائی۔

جمال کے تمام جسم کی رگیں تن گئیں۔ خون کی رفتار میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوگیا۔ اس کے نتھنوں سے خون اُبل اُبل کر باہر آنے لگا۔

"ماں۔!" جمال ایک چیخ مار کر پھر بے ہوش ہوگیا۔

ثُریا نے بھی کئی دنوں کے بعد جب جمال کی ماں کے مرنے کی خبر سُنی تو وہ بہت روئی لیکن سلام نے مار مار کر اسے خاموش کروایا۔

سلام تو ایک وحشی آدمی تھا۔ اس کے ساتھ شادی کرکے ثُریا ظلم کی ایک چکی میں پھنس گئی۔ سلام اس چکی میں اسے پیس رہا تھا۔ وہ ہر گھڑی اور ہر پل اپنے کئے پر پچھتا رہی تھی۔ اس کا چاچا خضر کھانڈے سلام سے تھوڑے بہت پیسے بٹور کر کہیں دور چلاگیا۔ اس کے بعد خضر کھانڈے نے اسے اپنا مُنہ نہیں دکھایا ثُریا کی آنکھیں ہر طرف جمال کو تلاش کررہی تھیں۔ وہ چوری چھپے ہر ایک سے جمال کے بارے میں پوچھتی تھی لیکن جمال کا کہیں اتا پتا نہ تھا۔ سلام کے گھر سے بے آبرو ہوجانے کے بعد جمال نے برابر سات سال اسے اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ پھر اچانک سات سال کے بعد جمال نمودار ہوا۔ لیکن وہ اب ثُریا کا معصوم جمال نہیں تھا بلکہ ایک خونخوار درندہ۔ ایک قاتل۔

ثُریا کمرے میں گم سُم بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس معصوم جمال درندہ کیسے بن گیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانچواں باب

ڈاکٹر جیلانی کے کلینک میں مریضوں کی بھاری تعداد جمع تھی سب مریض گاؤں کے سیدھے سادھے معصوم لوگ تھے۔ کوئی ترال سے آیا تھا۔ کوئی بڈگام سے اور کسی نے ہندوارہ سے اس ڈاکٹر کے پاس آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے سے مریضوں کی ایک لمبی قطار کلینک کے باہر جمع ہوچکی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے جب مریضوں کی تعداد زیادہ تجاوز کر گئی تو ڈاکٹر جیلانی تشریف لے آئے اس کے ساتھ اس کے اسسٹینٹ اور دوسرے ملازم بھی تھے۔ مریضوں کو ایک ایک کرکے اندر بُلایا جارہا تھا۔

ڈاکٹر جیلانی شہر کے نامور ڈاکٹروں میں سے ایک تھا لیکن وہ واحد ایسا ڈاکٹر تھا۔ جس کی فیس بہت کم تھی۔ وہ ہر مریض سے صرف دس روپیہ فیس کے طور پر وصول کرتا تھا جبکہ شہر کے دوسرے بڑے بڑے ڈاکٹر چالیس پچاس روپیہ سے کم فیس وصول کرنا خلاف شان سمجھتے تھے۔

شہر میں مریضوں سے زیادہ سے زیادہ فیس وصول کرنا ہر بڑے ڈاکٹر نے اپنا مقصد بنایا تھا۔ مریض کو فوراً ٹھیک کرنا وہ اتنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ڈاکوؤں کی طرح مریض کو دو دو ہاتھوں سے لوٹتے تھے۔ مریض کے مرض کو جان لیوا مرض بناکر وہ ہر مریض کو اس طرح اپنے چنگل میں پھانستے تھے جس طرح ایک مکڑی کے جال میں کیڑا پھنس جاتا ہے۔ گاؤں کے سیدھے سادھے مریضوں میں اتنی استطاعت کہاں کہ وہ شہر کے کسی بڑے ڈاکٹر کے پاس جائیں۔ اس پر طُرہ یہ ہے کہ نئے نویلے ڈاکٹر بھی گاؤں والوں کو اپنے پاس بھٹکنے نہیں دیتے۔ جب کسی نئے ڈاکٹر کی تقرری کسی گاؤں میں ہوتی ہے۔ تو وہ کبھی اپنی ڈیوٹی پر نہیں جاتا۔ صرف تنخواہ کے دن اپنے آفس جاتا ہے اور باقی وقت شہر کے دوسرے درجے کے ہوٹلوں میں گزارتا ہے۔ گاؤں کے لوگ ڈاکٹروں کی تلاش میں جب سرینگر پہونچتے ہیں تو ان کے پاس ڈاکٹروں کی بھاری فیس کے لئے پیسے نہیں ہوتے۔ شاید گاؤں والوں کا یہ المیہ دیکھ کر ہی ڈاکٹر جیلانی نے اپنی پریکٹس شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ پچھلے تیں سال سے بڑی کامیابی کے ساتھ پریکٹس کررہا تھا۔ اور اس کی کلینک میں زیادہ تر گاؤں والوں کی بھیڑ ہوا کرتی تھی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈاکٹر جیلانی پہلے ڈاکٹر اسلم خان کے پاس ایک معمولی ملازم تھا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اسلم خان نے اسے اپنا اسسٹینٹ مقرر کیا۔ چونکہ ڈاکٹر جیلانی کی ذہانت بہت تیز تھی۔ اس لئے اس نے بھی خود بھی مریضوں کا علاج کرنا سیکھ لیا۔ ڈاکٹر اسلم خان کے مرنے کے بعد ڈاکٹر جیلانی نے اس کی دکان پر بھی جو لالچوک میں واقع تھی قبضہ کرلیا۔ دکان حاصل کرنے کے بعد اس نے خود پریکٹس کرنے کا فیصلہ کیا۔ روپیہ خرچ کرکے اور اثر و رسوخ کی مدد سے اس نے گھر بیٹھے۔ آر۔ ایم۔ پی کی ڈگری حاصل کی۔ جس کی رو سے وہ معمولی پریکٹس کرسکتا تھا۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لقب بھی جوڑ دیا اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ عام لوگوں نے اس کی بڑی دکان دیکھ کر ایک ڈاکٹر کا ہی تصور ملتا ہے۔ پیسے اور دولت کی بہتات نے بھی اس کی شخصیت میں چار چاند لگادیئے تھے۔ اس لئے اب اسے گاؤں کے سیدھے سادھے لوگوں کو لوٹنے میں سہولیت ملتی تھی۔ کیونکہ گاؤں کے لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہوکر اس کے سامنے بولنے کی جراءت بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ڈاکٹر جیلانی نے اپنی فیس بہت کم رکھی تھی اور گاؤں کے سیدھے سادھے لوگ اسے ایک احسان سمجھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ڈاکٹر جیلانی ان کے نسخے میں غیر ضروری ادویات لکھ کر ان کو یہ ساری دوائیاں اپنی ہی دکان سے خریدنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر جیلانی کے غلط علاج سے بہت سی عزیز جانیں تلف ہوئیں۔ لیکن کوئی اس کے خلاف آواز نہ اُٹھا سکا۔ ڈاکٹر جیلانی کے پاس ہر آواز کو دبانے کے لئے کافی پیسہ تھا۔ اثر و رسوخ تھا۔ ڈاکٹر جیلانی کو اگر زندگی میں کسی شے سے زیادہ پیار تھا۔ وہ تھا پیسہ۔ اس پیسہ کو حاصل کرنے کے لئے اس نے گاؤں کے سیدھے سادھے لوگوں کو چُن لیا تھا۔

ڈاکٹر جیلانی آج بھی جلدی جلدی ایک مریض کو فارغ کرکے دوسرے مریض کو دیکھنے کی فکر میں تھا۔

"بلاؤ دوسرے مریض کو۔" ڈاکٹر نے چپراسی سے کہا۔

ایک چھوٹی عمر کی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک درمیانہ عمر کی عورت تھی۔ اس عورت کے بال بکھرے ہوئے تھے چہرہ زرد تھا۔ اور ہونٹ خشک تھے۔

"ہاں کیا بات ہے۔؟" ڈاکٹر جیلانی نے اس عورت سے کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ڈاکٹر صاحب۔ یہ لڑکی۔ یہ لڑکی۔ اور یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔"

"آخر کیا بات ہے اس لڑکی کو۔ ڈاکٹر جیلانی نے اس عورت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب مجھ میں کچھ کہنے کی طاقت نہیں۔" وہ عورت اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ کچی عمر کی ایک چودہ سالہ لڑکی تھی۔ دونوں نے چیتھڑے پہن رکھے تھے۔ اس عورت کے سر قصابہ بھی تھا۔ وہ کسی دور دراز گاؤں کی سیدھی سادھی عورت لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ والی لڑکی نے کشمیری فیرن پہنا تھا۔ جو جگہ جگہ پھٹا ہوا تھا۔ اس کے سر پر کشمیری دوپٹہ بندھا ہوا تھا۔ لمبے چوڑے فیرن کے باوجود اس کے پیٹ کا ابھار صاف نظر آرہا تھا۔

ڈاکٹر جیلانی نے اس لڑکی پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ پھر ناک بھوں چڑھا کر اس دیہاتن سے تند لہجے میں کہا۔

"دیکھو۔ اُوے۔ عورت میرے پاس تمہارے لئے فضول وقت نہیں جلدی سے کہو کیا بات ہے۔ کیا مرض ہے اس لڑکی کو۔ ورنہ جاؤ۔ میرا قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔ نہیں ہم پر رحم کیجئے۔ ہماری عزت بچائیے۔" وہ ڈاکٹر جیلانی کے پیروں میں گڑگڑانے لگی۔

"کونسا مرض ہے تم کو لڑکی۔؟" ڈاکٹر نے اس لڑکی سے براہ راست سوال کیا۔

"جواب میں وہ لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس نے اپنا سر جُھکا دیا۔ اس کی پلکوں پر آنسوؤں کے موتی لرزنے لگے۔ اور فرطِ حیا سے اس کی زبان سُوکھ گئی۔"

"چلے جاؤ۔ دونوں یہاں سے مجھے دوسرے مریض کو دیکھنے دو۔" ڈاکٹر جیلانی غرور اور نفرت سے ان کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"صاحب ہم پر رحم کیجئے۔" وہ عورت ڈاکٹر کے پاؤں پر جھک کر گڑگڑانے لگی۔

"آخر کیسا رحم۔؟" ڈاکٹر نے کرخت لہجے میں کہا۔

"میری بیٹی کنواری ہے لیکن ماں بننے والی ہے۔" اس عورت نے کہا۔

"کیا!" ڈاکٹر جیلانی نے حیرانگی سے کہا۔

"جی ہاں ڈاکٹر صاحب۔ اسے ماں بننے مت دیجئے۔ آپ کوئی ایسا آپریشن کیجئے کہ وہ ماں نہ بن جائے۔ ورنہ ہم دونوں جیتے جی مرجائیں گے۔ ہمارا کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لئے ہم کو بدنامی اور ذلت سے بچا لیجئے۔ اگر گاؤں والوں کو میری بیٹی کے بارے میں معلوم ہوگیا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ تو ہم دونوں کو گاؤں سے مُنہ کالا کر کے نکال دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب۔" وہ عورت ڈاکٹر کے پیروں میں سر رکھ کر گڑگڑانے لگی۔

"حرامزادی۔ تم کیسے یہ کہہ کہنے کی جراءت کر رہی ہو کہ میں غیر قانونی کام کروں"۔ ڈاکٹر جیلانی چیخ اُٹھا۔ "تمہاری بیٹی وحشیہ ہے تو کسی کوٹھے پر بچے جنم دے گی۔" ڈاکٹر صاحب نے اسے مشورہ دیا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔ اس میں میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں۔ اس کی عمر دیکھو ابھی صرف ۱۴ سال کی بچی ہے لیکن اس بچی کی تباہی کی ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے بچی کی معصومیت اور شرافت کو تار تار کر دیا میں نے سلام کی چاپلوسی میں آکر اپنی بیٹی کو اس کے مہمانوں کے ہوس کا نشانہ بنایا۔" وہ عورت کہنے لگی۔

"کون سلام۔ اور کون مہمان۔؟" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب سوپور کے سلام کے بارے میں کس نے نہیں سُنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب شہر میں بھی اس نے نِشاط اور راجباغ میں بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر کی ہیں۔ سوپور کی کوٹھی میں، میں اس کی ملازم تھی۔ جب سلام نے پچاس سال کی عمر میں ایک کم عمر لڑکی ثُریا سے شادی کی اس وقت مجھے وہاں ملازم رکھا گیا۔ پھر سلام اور اس کی بیوی شہر کی ایک کوٹھی میں منتقل ہوگئے۔ میں سوپور کی کوٹھی میں اکیلی کوٹھی کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ مجھے سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ میں اس کوٹھی میں اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس بیٹی کے بغیر میرا کوئی نہیں۔ آج سے پانچ مہینے پہلے سلام کا ایک مہمان شہر سے آیا۔ وہ اس کوٹھی میں ٹھیرا۔ وہ ایک بڑا منسٹر ہے غداری کے بدلے اسے منسٹری ملی تھی۔ ڈاکٹر صاحب آپ بھی اس منسٹر کو جانتے ہونگے اس کا نام جوہر صاحب۔ بڑا دُبلا پتلا منسٹر۔ بالکل ان پڑھ۔ لیکن ایسا ذلیل اور جانور صفت آدمی کہ میں نے زندگی میں اس جیسا ذلیل آدمی نہیں دیکھا ہے۔ اس کی عمر ۶۰ سال سے زائد ہے اور اس نے میری موجودگی میں میری کم سن بیٹی کی عزت لوٹ لی۔ اس کو بہلا پھسلا کر اس کے ساتھ گناہ کیا۔ اس حیوان نے اپنی بیٹی کی عزت بھی اس طرح لوٹی ہوگی۔ قوم کی عزت و آبرو کا مقام دلانے والے نے میری کم سن بیٹی کی آبرو کے ساتھ جی بھر کر کھیلا۔ ایک سازش کے تحت

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجھے سلام نے چار دن شہر میں روکے رکھا۔ اور ان چار دنوں میں میری بیٹی وہاں اکیلی تھی جب میں واپس سوپور پہنچی تو اپنی معصوم بیٹی کی حالت دیکھ کر سب بھانپ گئی۔

میں نے رو رو کر سلام کو سب کچھ کہا۔ سلام نے میری بیٹی کی عزت فسٹر کے ہاتھوں لوٹنے کو میری بیٹی کی خوش قسمتی کہہ کر مجھے ٹال دیا۔ میں روئی چلائی۔ لیکن سلام کے قہقہوں کے نیچے میری فریادیں دب کر رہ گئیں۔ بدنامی کے ڈر سے خاموش رہی۔ گاؤں والوں کو سلام اور جوہر کے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ اندر ہی اندر تڑپتی رہی۔ آج اس بدقسمت قوم کے رہبر کی عظمت کا نشان میری بیٹی کے پیٹ پر چپکا ہوا ہے۔ میں اس پر اب پردہ نہیں ڈال سکتی۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتی صرف آپ سے رحم کی درخواست کر سکتی ہوں۔ آپ صرف میری عزت بچا سکتے ہیں۔ للہ مجھ پر رحم کیجئے۔ خدا کا واسطہ ڈاکٹر صاحب!

"اب سلام کہاں ہے۔" ڈاکٹر جیلانی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ کسی فرشتے نے اس ذلیل خونخوار درندے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔" اس عورت نے کہا۔ ڈاکٹر جیلانی بہت دیر تک سوچنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو ڈاکٹر صاحب۔؟ جلدی سے کچھ کر لیجئے۔ ورنہ ہم دونوں کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ گاؤں والے ہمیں سنگسار کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب اگر آپ کی بیٹی کے ساتھ ایسا کچھ پیش آیا ہوتا تو کیا آپ بھی میری طرح نہیں تڑپتے؟ میری طرح کسی ڈاکٹر سے رحم کی بھیک نہیں مانگتے" اس عورت نے معصوم انداز میں کہا۔

ڈاکٹر جیلانی کے ذہن میں چند لمحوں کے لئے آج سے ۲۱ سال پرانا واقعہ اُبھرنے لگا۔ جب اسکی لاڈلی اکلوتی بیٹی شبنم بھی اسی طرح شادی سے پہلے حاملہ ہو چکی تھی وہ دنیا کے ڈر سے تھرا اٹھا تھا۔ اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی تھی۔ اسے جب تک چین نہ آیا جب تک اس نے اس راز کو دفن نہ کیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ آج اس عورت کی دُہائی اُسے وہ واقعہ یاد دلانے لگی۔ لیکن فوراً ہی ڈاکٹر جیلانی نے اپنے ذہن کو ایک جھٹکا دیا۔ وہ اس غریب دیہاتی لڑکی کی برابری اپنی بیٹی شبنم کے ساتھ نہیں کرانا چاہتا تھا۔ اگرچہ شبنم نے اپنی جسمانی لذت کی خاطر خود سب کچھ کیا تھا۔ جبکہ اس کمسن کی عزت دھوکے اور چاپلوسی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے زبردستی لوٹ لی گئی تھی لیکن شبنم تو ایک اونچے گھر کی بیٹی تھی۔ یہ گاؤں کی عورت اور اس کی بیٹی عزت و آبرو کی قیمت کیا جانے۔ اگر ڈاکٹر جیلانی نے اس لڑکی کا ابارشن کیا تو ڈاکٹر جیلانی کی بدنامی ہوگی۔

"نہیں۔ میں اس لڑکی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" ڈاکٹر جیلانی نے اپنا فیصلہ اس عورت کو سُنایا۔

"ڈاکٹر صاحب ہمیں بچائیے۔" وہ عورت گڑگڑائی۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"ان کو باہر نکالو۔" ڈاکٹر جیلانی نے اپنے چپراسی اور اپنے اسسٹینٹ کو بلاکر ہدایات دی۔ حکم کی تعمیل میں اس عورت کو دھکے مار مار کر باہر نکالا گیا۔ اس عورت اور لڑکی کے جانے کے بعد ڈاکٹر جیلانی ٹیلی فون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو۔ ایڈیٹر جہلم ٹائمز۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایڈیٹر صاحب کیا حال ہے۔ میں ڈاکٹر جیلانی بول رہا ہوں۔ میرا ڈونیشن چیک پہونچا آپکو۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں ڈاکٹر صاحب آپ جیسے قدردانوں سے ہمارا یہ اخبار روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔" ایڈیٹر نے جواب دیا۔

"ایڈیٹر صاحب۔ آج ایک چھوٹی سی خبر اپنے اخبار میں شائع کرنا۔" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"زہے نصیب۔" آپ حکم فرمائیں اور ہم خبر شائع نہ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ پچھلے مہینے ایک گاؤں کا وفد آپ کے خلاف بیان دینے آیا تھا کہ کئی آدمی جس کی حیات کے دن پورے ہوچکے تھے آپ کی غلط دوائی سے مرگیا۔ گویا خُدا کے حکم سے نہیں مرا۔ میں نے ان کم عقلوں کا بیان سُنا۔ تو دوسرے دن اخبار میں جلی حرفوں میں یہ خبر شائع کی کہ ڈاکٹر جیلانی مسیح زماں ہیں ان کے بہترین علاج سے ایک گاؤں کا آدمی موت کہ مُنہ سے بچ نکلا ایڈیٹر جہلم ٹائمز نے اپنا احسان جتلاکر چیک کا حساب کتاب برابر کیا۔

"جی ہاں ایڈیٹر صاحب ہم آپکے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ سچی دوستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اسی لئے ہم آپ کے اخبار کی ترقی کے لئے چندہ دینا باعث فخر سمجھتے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں۔" ڈاکٹر جیلانی نے بھی بالکل کاروباری نوعیت میں جواب دیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب کون سی خبر اخبار میں شائع کرنی ہے۔" ایڈیٹر نے مطلب کی بات کی۔

"ہاں یہ لکھئیے کہ ڈاکٹر جیلانی کے کلینک پر ایک گاؤں کی عورت آئی تھی۔ جو لڑکیوں کا ناجائز دھندہ کررہی ہے۔ اس نے ڈاکٹر جیلانی کو پچاس ہزار روپیہ دے کر اس کے ذریعے ناجائز حمل گرانے کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ڈاکٹر جیلانی نے اس ناجائز بیوپار میں اس کی مدد کرنے سے صاف انکار کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ رقم اس کے مُنہ پر پھینک کر اپنی ایمانداری اور خلوص کا پورا پورا ثبوت دیا۔ یہ کہہ کر ڈاکٹر جیلانی خاموش ہوئے۔

"واہ۔! جیلانی صاحب۔ واہ بہت اچھی خبر ہے۔" کل یہ اخبار کے پہلے صفحے پر ہوگی اس کی سرخی ہوگی۔" ڈاکٹر جیلانی ایمانداری کا مجسمہ۔" ایڈیٹر جہلم ٹائمز نے کہا۔

"شکریہ ایڈیٹر صاحب۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر جیلانی نے فون رکھ دیا۔

"صاحب۔" ڈاکٹر جیلانی کے خاص اسسٹینٹ نے یہ ساری باتیں سُن کر کچھ کہنا چاہا۔

"کیا بات ہے شمیم۔" ڈاکٹر جیلانی نے اس سے پوچھا۔

"یہ خبر تو بہت اچھی ہے۔ کل گھر گھر میں آپکی تعریف ہوگی۔ لیکن اسے ہمارے کاروبار پر برا اثر پڑسکتا ہے۔" شمیم نے ڈاکٹر جیلانی سے کہا۔

"بھلا کیسے۔؟" ڈاکٹر جیلانی نے اس سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب وہ سونیا پرکاش اسی کام کے لئے ہمیں ماہانہ پچاس ہزار روپیہ دے رہی ہے۔ ہمارا ناجائز حمل گرانے کا کاروبا بڑے پیمانے پر چل رہا ہے۔ اگر سونیا پرکاش نے یہ خبر پڑھ لی تو وہ آئیندہ ہم پر بھروسہ نہیں کرے گی۔" اسسٹینٹ شمیم نے اس سے کہا۔

"ہا۔ہا۔ہا۔" ڈاکٹر جیلانی نے شیطانی قہقہہ لگایا۔ پھر اپنے اسسٹینٹ شمیم سے کہنے لگا۔

"ابھی تم نادان ہو۔ اس کو گڈ ول کہتے ہیں۔ اس خبر کو پڑھ کر سونیا پرکاش بہت خوش ہوگی۔ اسی طرح سونیا کا ملنا جلنا کسی کے دل میں شک پیدا نہیں کرسکتا۔" ڈاکٹر جیلانی نے شمیم سے کہا۔ ابھی ڈاکٹر نے یہ بات ختم ہی کی تھی کہ ایک عورت دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ درمیان عمر کی عورت تھی اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ چہرے کی جھریوں کو اس نے میک اپ میں چھپا لیا تھا۔ میک اپ کے باوجود اس کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ صاف نظر آرہا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا اسکی آنکھوں میں خوف جھانک رہا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہی تھی۔

"تم۔ سونیا۔ تم۔" ڈاکٹر جیلانی سونیا کو اس طرح کلینک میں آتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"کیا بات ہے سونیا؟ سب ٹھیک ہے کیا۔؟" ڈاکٹر جیلانی نے اس سے پوچھا۔

"ڈاکٹر کیا تم اس جمال کو جانتے ہو۔" سونیا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جمال۔!" ڈاکٹر اس نام کو سُن کر پریشان ہو گیا۔

"ہاں جمال۔ اس آدمی نے فون پر ہی نام بتایا۔ اس نے مجھے ابھی ابھی فون پر دھمکیاں دیں۔ وہ میرے کاروبار سے واقف ہے۔ اس نے مجھے تم سے ابھی ملنے کے لئے کہا۔ اگر میں تم سے نہیں ملی تو وہ میرے گروپ سے وابستہ ہر شریف زادی کا نقاب اُتار کر پھینکے گا۔" سونیا نے ڈاکٹر جیلانی کو اپنی پریشانی کا سبب بتایا۔

"ڈاکٹر ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو ڈاکٹر جیلانی ہئیر۔" اس نے فون پر کہا۔

ڈاکٹر تمہارے کلینک پر ایک عورت آئی تھی۔ اس کے ساتھ اسکی بیٹی تھی۔ جو سلام جیسے کتے اور ایک فِسٹر کے روپ میں خونخوار بھیڑیئے کا شکار بنی تھی۔ وہ تمہارے پاس آئی تھی۔ اپنی نابالغ لڑکی کا حمل گرانے۔ تم نے سونیا کے ذریعہ ہزاروں شریف زادیوں کا حمل گرایا ہے۔ اس کو دھکے دے کر نکالنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون ہو تم۔؟" ڈاکٹر جیلانی نے دوبارہ پوچھا۔

"ڈاکٹر وہ عورت پھر اپنی بیٹی لے کر تمہارے پاس آرہی ہے اور تم اس کا کام کر لو گے۔" اس آواز نے کہا۔

"کون ہو تم۔؟ ڈاکٹر دوبارہ کہنے لگا۔

"سونیا نے تمہیں میرا نام نہیں بتایا۔" دوسری طرف سے آواز گونجی۔

"جمال صاحب۔" ڈاکٹر جیلانی کی آواز مشکل سے ہی حلق سے باہر آئی۔ دوسری طرف سے طرف ایک قہقہہ بلند ہوا اور فوراً فون کٹ گیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھٹا باب

خواجہ منزل کے گیٹ پر ایک نیپالی دربان کھڑا تھا۔ گیٹ کے اندر خوبصورت چمن کے بالکل وسط میں عظیم الشان کوٹھی کنول کے پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ چمن میں مختلف ممالک سے منگوائے گئے خوبصورت۔ سرخ سفید۔ نیلے۔ گلابی بنبشی۔ پیلے غرض ہر رنگ میں کے پھول چاروں طرف کھلے ہوئے تھے۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک لمبی سڑک کوٹھی کے بڑے برآمدے تک جارہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف ایورگرین پودوں سے بنی ایک خوبصورت دیوار کھڑی تھی۔ ان سبز پودوں کی دیوار کو ماہرانہ ہاتھوں سے تراشا گیا تھا۔ اس تراشیدہ بل کھاتی ہوئی ایورگرین کی دیوار نے اس گلستان کے حُسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ ہر طرف بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ باغ کے بیچ دو بڑے چنار کے درخت بڑی شان کے ساتھ کھڑے تھے۔ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان خوبصورت چنار کے درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھ کر میٹھے گیت گا رہے تھے۔

رشید اور سلیمہ کو باہر گیٹ پر کھڑے نیپالی دربان نے روکا تھا۔ لیکن ان دونوں کے خواجہ طاروقی سے ملنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہی ان کو نکاح کے بندھنوں میں ہمیشہ کے لئے باندھ سکتا تھا۔ نیپالی کے روکنے سے وہ دونوں رکنے والے نہیں تھے۔ وہ دونوں کی کوٹھی کے گرد دیوار کھڑی چار دیواری کو پھیلانگ کر اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوکر وہ چمن کے بیچ بنائی سڑک پر تیزی کے ساتھ چلنے لگے اور برآمدے تک پہنچ گئے۔ دیوان خانے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن دیوان خانے سے باتوں کی آوازیں بھی سُنائی دے رہی تھی۔

اندر دیوان خانے میں خواجہ طاروقی اپنے پورے جاہ جلال کے ساتھ مخملی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سارے دیوان خانے میں ایک بڑا خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔ اس قالین کے ہوتے ہوئے بھی خواجہ طاروقی کی مخصوص جگہ پر ایک دوسرا چھوٹا ریشمی غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ اس طرح مولانا کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہورہی تھی دیوان خانہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ اس کمرے میں تقریباً پانچ سو لوگ ایک ساتھ سما سکتے تھے۔ کمرے کی دیواریں بھی سنگ مرمر سے بنی ہوئی تھیں۔ چھت پر نفیس نقش کاری کا کام بڑی محنت اور لگن کے ساتھ کیا گیا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دروازوں اور کھڑکیوں پر رنگین ریشمی پارچے کے خوبصورت پردے آویزاں تھے وسیع اور طویل چھت پر جگہ جگہ قیمتی اور نازک روشنی کی قندیلیں سجی ہوئی تھیں۔ یہ سب خواجہ طاروقی کی نفاست پسندی ذوقِ جمال کا نتیجہ تھا۔ یہ شان و شوکت اور رعنائی طویل گلستان اور دیوان خانے تک محدود نہ تھی۔ بلکہ شیش محل جو خاص طور پر مولانا طاروقی کی بیوی کے لئے بنایا گیا تھا۔ فن تعمیر کا ایک نادر سا نمونہ تھا۔ خواجہ کی بیوی نے اس شیش محل میں پیرس۔ لندن۔ جرمنی اور دوسرے اہم شہروں میں بنا۔ میک اپ کا سامان جمع کیا تھا۔ یہ کمرہ بلوری شیشہ سے بنا ہوا تھا۔

آج کوئی مُغل شہنشاہ اگر زندہ ہوتا تو خواجہ طاروقی کے جاہ جلال اور نفاست پسندی کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔

خواجہ طاروقی کی کوٹھی کا ایک ایک کمرہ اپنی مثال آپ تھا۔ ہر کمرے کی خوبصورتی پر لاکھوں روپیئے خرچ کئے گئے تھے۔ لیکن ابھی تک خواجہ طاروقی اس خوبصورتی سے مطمئن نہ تھا۔ ابھی اسے ایک اونچی منزل کی تلاش تھی۔ ابھی وہ اس سے زیادہ حشمت و عظمت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

خواجہ طاروقی کا ستارہ ہمیشہ قسمت کی بُلندیوں پر چمکتا رہا۔ اس نے خوش نصیبی سے اس خاندان میں جنم لیا۔ جسکی میراث عزت دولت اور شہرت تھی۔

خواجہ طاروقی کی خوش قسمتی اس بات میں تھی کہ وہ خاندان کا اکلوتا وارث تھا۔ اس نے جب سے خواجہ اعلیٰ کا منصب سنبھالا اس کے خاندان کی دولت میں اضافہ ہوا۔ جس طرح شداد نے دنیا میں ہی بہشت تعمیر کی اسی طرح خواجہ نے جہنم کے شعلوں کے ڈر سے پہلے ہی جنت بنالی۔ پھر کوٹھی کی تعمیر شروع ہوئی۔ کوٹھی کی ہر اینٹ اور ہر پتھر پر معصوم بھولے بھالے عوام کے خون کی چھینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ معصوم اور ان پڑھ لوگ خواجہ کو ایک مقدس آدمی سمجھ کر اس کی دُعا حاصل کرنے آتے تھے۔

طاروقی مذہبی پرچار کے علاوہ دوسرے سماجی سیاسی کاروباری اور دوسرے حلقوں کے ساتھ وابستہ تھے۔ اس لئے خواجہ کے پاس وقت کی کمی تھی۔ ہفتے میں چار دن وہ عام لوگوں سے ملتے تھے۔ باقی تین دنوں میں صرف خاص چمچوں اور چیلوں کو اندر آنے کی اجازت تھی۔ وہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کے خاص رازداروں میں شامل تھے۔ صرف ان کو معلوم تھا کہ خواجہ کے لبادے کے پیچھے کونسا شیطان چھپا تھا۔ چونکہ اس شیطانی کام میں وہ برابر کے شریک تھے۔ اس لیے ان کو ایک دوسرے سے شرم نہیں آتی تھی۔ آج بھی خواجہ کے دیوان خانے میں اس کے خاص راز دار چیلے پہلے بیٹھے ہوئے تھے وہ عقیدت مندوں کے نذرانوں۔ چندوں اور دیگر دولت کا حساب کتاب کر رہے تھے۔ خواجہ بڑے غور سے اس حساب و کتاب کو دیکھ رہے تھے اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو۔ میں طاروقی بول رہا ہوں۔" مولانا نے فوراً رسیور اُٹھا کر کہا۔

"خواجہ صاحب میں ڈاکٹر جیلانی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے گھبراتی ہوئی آواز ابھری۔

"اوہ ڈاکٹر جیلانی کہئیے کیا حال ہے۔ سونیا نے بہت دنوں سے کسی گلاب کو سونگھنے کے لئے نہیں بھیجا۔ خواجہ نے اپنے مطلب کی بات کہی۔

"لیکن خواجہ صاحب میں اور سونیا بہت پریشان ہیں۔" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"کیوں کیا بات ہے" خواجہ چونک اٹھے۔

"آج دوبارہ مجھے بلیک میل کیا گیا۔ سونیا کو ڈرایا دھمکایا گیا۔" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"بلیک میل۔ کس نے ایسی گستاخی کی۔ میں اس وجود کو تباہ کردونگا" خواجہ کے چہرے پر شیطان نمودار ہوکر چنگاڑنے لگا۔

"جمال ہے اس کا نام"۔ ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"جمال!" طاروقی کے پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔ چہرے پر خوف اور ڈر کے آثار نمودار ہونے لگے۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ خواجہ صاحب۔" دوسری طرف سے ڈاکٹر بول رہا تھا۔ خواجہ کے ہاتھوں سے رسیور چھوٹ گیا۔ اسی خوف اور ڈر کی کیفیت میں اس کی آنکھیں ہوا میں ساکت ہوگئیں۔ خواجہ کے اردگرد بیٹھے قابل اعتماد چیلے بھی اس کی بدلتی حالت دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔

"خواجہ صاحب کیا بات ہے؟" ایک چیلے نے گمبھیر خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

"آہ۔ آہ۔" خواجہ خلا میں گھورتے ہوئے بہم جواب دینے لگا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"خواجہ صاحب کیا جمال نے دوبارہ کچھ۔" دوسرے چیلے نے کہا۔

"جمال۔ جمال۔ جمال۔" وہ چیخ اُٹھا۔

"وہ جمال۔ وہ کیا ہے۔ ایک معمولی ہستی۔ اور معمولی ہستی مجھ جیسے عظیم آدمی سے ٹکر لے رہی ہے۔ آخ۔ تھو۔" خواجہ نے ریشمی قالین پر تھوکا۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر خوف کے بادل مٹنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔" جمال اب اپنی حدوں کو پھیلانگنے لگا۔ جمال سانپوں کے بل میں گھس کر انہیں چھیڑ رہا ہے اب ہم اس کی زندگی میں زہر گھول دیں گے۔ ختم کردیں گے جمال کو۔" خواجہ طاروقی کی آنکھیں غصے میں جلنے لگیں۔ اسکے چہرے کا نور غائب ہوگیا۔ اور وحشت ٹپکنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے چنبل گھاٹی میں چھپے ڈاکوں کے کسی گروہ کا سردار بول رہا ہے۔

جمال کا نام سن کر خواجہ طاروقی کی صورت بگڑ گئی تھی۔ اب وہ سکون و اطمینان کے ساتھ مخملی تکیے پر ٹیک لگا کر نہیں بیٹھا تھا بلکہ اب وہ اس چوہے کی طرح تن کر بیٹھا تھا۔ جو بلی کی آہٹ سن کر بیٹھتا تھا۔

"آپ پر اور آپکی مقدس ذات پر میرے بچے نثار ہوجائیں۔ خواجہ صاحب آخر آپ اس معمولی جمال کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟ کیا چاہتا ہے۔ آج یہ جمال۔" خواجہ کے ایک خاص چیلے نے سوال کرنے کی جراءت کی۔

"آج میرے ساتھ جمال نے کچھ نہیں کیا۔ آج اس نے میرے خاص دوستوں ڈاکٹر جیلانی اور سونیا پرکاش کو بلیک میل کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ جمال کو سونیا کے بارے میں سارا علم ہے۔ ان گلابوں کے بارے میں وہ جان چکا ہوگا جو سونیا ہم کو تحفوں کی صورت میں بھیجتی ہے۔ جمال ہر بات جانتا ہے اور جمال ہمارے لئے خطرہ ہے۔" خواجہ نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

"مولانا صاحب جمال ایک وحشی درندہ ہے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جمال نے ہی سلام کو قتل کیا۔ وہ خونی ہے۔ اس کو ہر ایک کی کمزوری معلوم ہے۔ اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے" ایک دوسرے چیلے نے مولانا کو مشورہ دیا۔

"سلام کا قتل۔" طاروقی کا بدن دوبارہ تھرانے لگا۔ چند لمحوں کے لئے اسے ایسا محسوس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہونے لگا۔ جیسے جمال ایک تیز کلہاڑی اُٹھائے اس کی طرف بڑھ رہا ہو۔

"نہیں۔ نہیں۔ مجھے مت مارو۔" بے خودی میں طاروقی کے منہ سے خوف اور ڈر سے بھرپور چیخ نکل گئی۔

"خواجہ صاحب۔ خواجہ صاحب۔" اس کے چیلے اسے سہارا دینے لگے۔ "مجھے بچاؤ۔ جمال کے چنگل سے بچاؤ۔ اُف۔ اللہ۔ جمال کو تم ہی اس دنیا سے اُٹھاؤ ورنہ مجھے تباہ کردے گا۔ خواجہ کے دل کے دھڑکنے کی رفتار تیز ہونے لگی اور وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے چیلے اسے پانی پلانے لگے۔ آہستہ آہستہ وہ معمول کی حالت پر آنے لگا۔

ابھی خواجہ پوری طرح سنبھل بھی نہ چکا تھا کہ دھڑام سے دیوان خانے کا دروازہ کھل گیا۔

"کون۔ جمال۔ آہ۔" خواجہ کے مُنہ سے خوف کی ایک اور چیخ نکل گئی وہ دوبارہ ایک طرف لڑھک گیا۔ دیوان خانے کا دروازہ کھل کر رشید اور سلیمہ اندر داخل ہوئے تھے۔

"کون ہو تم دونوں؟ یہاں کیوں آگئے؟" طاروقی کے چیلوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کی۔ سب گھبرائے ہوئے تھے۔

"ہم تو مولانا سے مدد مانگنے آئے ہیں۔" رشید اور سلیمہ نے معصومیت سے کہا۔ مدد مانگنے آئے ہیں۔" طاروقی یہ بات سُن کر سنبھلنے لگا۔

"ہاں خواجہ صاحب۔ آپ یہاں کے بڑے مفرد آدمی ہیں آپ ہی ہم دونوں کا نکاح پڑھ سکتے ہیں۔ ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔ رشید اور سلیمہ نے ایک ساتھ ادب سے کہا۔ خواجہ اور اس کے چیلے سب سنبھل گئے خواجہ دوبارہ ریشمی غالیچے پر بیٹھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی تک اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا خواجہ اب ضابطہ حالات کو سمجھنے لگا۔ اس نے سلیمہ اور رشید پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ سلیمہ کی پوشاک اس کے گلے میں پڑا سونے کا چمکتا ہوا ہار اور بڑے بڑے کنگن اس کے آسودہ حالی کی غمازی کر رہے تھے جبکہ رشید کا پھٹا پرانا لباس ایک دوسری کہانی سُنا رہا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم دونوں۔؟ خواجہ نے پہلی بار سنبھل کر سوال کیا۔

"خواجہ صاحب ہم دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا نکاح پڑھا دیجئے۔ انہوں نے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوبارہ خواجہ کی خدمت میں ادب و احترام سے اپنا مدّعا بیان کیا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔ کس نے تمہیں یہاں آنے دیا! تم کو نہیں معلوم اس وقت خواجہ کسی سے نہیں ملتے ہیں۔" خواجہ کے ایک چیلے نے ان سے کہا۔

"نہیں ہم ان کی بات سُننا چاہتے ہیں۔" خواجہ نے اپنے چیلے کو خاموش کرایا۔

"ہاں لڑکے کیا نام ہے تمہارا۔" خواجہ نے جلیمی سے پوچھا

"رشید۔!" اس نے جواب دیا۔

"تمہارا کیا نام ہے" خواجہ نے سلیمہ سے پوچھا۔

"سلیمہ۔!" اس نے جواب دیا۔

"تم دونوں کے ماں باپ کہاں ہیں۔" خواجہ نے اپنے چہرے پر نور بکھرتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ اب پوری طرح سنبھل چکا تھا۔

"جی میرے ماں باپ نہیں ہیں۔" رشید نے کہا۔

"اور آپ کے ماں باپ۔؟" خواجہ نے سلیمہ سے پوچھا۔

"جی۔ جی۔ وہ۔" سلیمہ بوکھلانے لگی۔

"گھبراؤ مت بیٹی۔ بتاؤ کہاں ہیں۔ خواجہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ جی میرے باپ اس شادی کے خلاف ہیں۔ ماں بھی میرا ساتھ نہیں دے سکتی۔ میرا باپ اپنے خاندان۔ اپنی دولت اور اپنی شان کے نشے میں دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ دولت کی جھوٹی چمک محبت کے اُجالوں کے سامنے کچھ نہیں۔ میں رشید کے ساتھ پیار کرتی ہوں اور میں اس کے بغیر جی نہیں سکتی۔ خواجہ صاحب آپ عظیم ہیں آپ محبت کی بلندیوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ سلیمہ نے خواجہ سے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارے باپ کا؟" خواجہ نے سلیمہ سے پوچھا۔

"عزیز احمد۔" سلیمہ نے کہا۔

"کون ہے عزیز۔ یہ وہی عزیز تو نہیں جو عزیز سنیما کے مالک ہیں؟" خواجہ نے دوبارہ سلیمہ سے پوچھا۔

"جی ہاں میرے باپ اُس سنیما کے مالک بھی ہیں۔ مجھ سے زیادہ انہیں اپنے سنیما سے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیار ہے۔" سلیمہ نے جواب دیا۔

"اوہ بیٹی۔ میں تم کو کوئی بھی غلطی کرنے نہیں دوں گا۔ عزیز میرا اپنا آدمی ہے۔" خواجہ نے اس سے کہا۔

"نہیں خواجہ صاحب میرا باپ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ آپ جیسے عظیم آدمی کا دوست نہیں ہوسکتا۔ خواجہ صاحب میں رشید کو چاہتی ہوں آپ فوراً ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح کے مقدس بندھنوں میں باندھ دیجئے۔" سلیمہ خواجہ سے التجا کرنے لگی۔

"تم خاموش رہو بیٹی میں سمجھ گیا۔ یہ بدمعاش لڑکا تمہیں بھولی بھالی اور معصوم سمجھ کر پھنسا رہا ہے۔ شکر ہے کہ تم میرے پاس آگئیں۔ میں تم کو اس کمینے بدمعاش سے شادی کرنے نہیں دونگا۔" خواجہ طاروقی نے بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے سلیمہ کو سمجھانا شروع کیا۔

"نہیں خواجہ صاحب ایسا مت کیجئے۔" سلیمہ چلائی۔

"خواجہ صاحب ہم نکاح پڑھوانے آئے ہیں۔ آپکا مشورہ لینے نہیں آئے ہیں۔ رشید نے کہا۔

"خاموش۔ بدمعاش۔" خواجہ چنگھاڑا۔

"پکڑلو اس بدمعاش کو۔" خواجہ نے اپنے چیلوں کو حکم دیا۔

"نہیں خواجہ صاحب۔ نہیں" ایسا ظلم مت کیجئے۔ آپ معزز ہیں۔ بزرگ ہیں۔ عظیم ہیں۔ آپ ہم دو محبت بھرے دلوں کے درمیان کوئی دیوار قائم مت کیجئے۔ دولت تو دنیاوی لین دین ہے۔ ہمارا مذہب ہر انسان کو ایک جیسا سمجھ رہا ہے انسان کا کردار اس کا ایمان ہی تو اس کا اصل سرمایہ ہے رشید کے پاس یہی سرمایہ ہے۔ خواجہ صاحب اس کو غلط مت سمجھیے۔ یہ مجھے بہلا پھسلا کر شادی نہیں کر رہا ہے بلکہ میں اس کی شریک حیات بننے کے لئے تڑپ رہی ہوں۔ میں اس کی بیوی بن کر خود کو ایک قابل فخر سمجھ لوں گی۔

خواجہ صاحب مجھ پر رحم کیجئے۔ مجھے اس کی منکوحہ بننے کا موقعہ دیجئے۔ ہم دونوں کو شادی کے بندھنوں میں باندھ کو ہم پر احسان کیجئے۔ سلیمہ خواجہ سے التجا کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رشید پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ ایک ایسے چہرے کو دیکھ رہا تھا جس پر مذہب کا صرف نقاب اوڑھا گیا تھا۔ اصل میں یہ ایک شیطان کا چہرہ تھا اور اس کی نگاہوں کے سامنے وہ فریب کا نقاب ہٹنے لگا۔

"پکڑو اس بدمعاش کو۔" خواجہ نے سلیمہ کی پرواہ کئے بغیر حکم دیا۔ خواجہ کے تمام چیلے اور نوکر رشید کی جانب بڑھنے لگے۔

"نہیں اس کو ہاتھ مت لگاؤ۔!" سلیمہ رشید کے آگے تن کر کھڑی ہو گئی۔

خواجہ نے ایک زور دار تھپڑ سلیمہ کے رخساروں پر رسید کیا۔ وہ دھڑام سے نیچے گر گئی۔

رشید یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکا۔ وہ خواجہ پر جھپٹ پڑا۔ اس کا چہرہ نوچنے لگا۔

"آہ۔" رشید کے مُنہ سے چیخ نکلی خواجہ کے چیلے نے ایک وزنی پیتل کا پھولدان اس کے سر پر دے مارا۔ رشید کی آنکھوں کے سامنے تارے جھلملانے لگے۔ وہ چکرا کر گر پڑا اس کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتواں باب

رشید نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس نے اپنے اردگرد چاروں طرف دیکھا۔ وہ کسی عجیب و غریب کمرے میں بند تھا۔ اس کے نتھنوں میں بدبو کا ایک جھونکا گھس گیا۔ بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ اندھیرے میں ابھی تک اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوگئیں۔ اسنے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہے اس کے پاس ہی ایک آدمی لمبی تان کر سویا ہوا ہے۔ اس آدمی کا لباس پھٹا ہوا تھا۔ کھردری داڑھی میں اس کے چہرے کا نصف حصّہ چھپا ہوا تھا۔ اسنے اپنے اوپر ایک پھٹی پُرانی کمبل اوڑھی تھی۔ ایک موٹا چوہا دوڑتا ہوا کہیں سے آکر اس آدمی کے جسم پر رینگنے لگا لیکن اس آدمی کی کوئی حرکت نہیں کی۔ رشید ابھی اُس آدمی کو دیکھ رہا تھا کہ کمرے کے ایک تاریک کونے سے ایک قہقہہ اُبھرا۔

"میں چور ہوں۔ چور۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔" کوئی دوسرا آدمی کہہ رہا تھا۔

"چپ حرامزادے۔ چور ہوکر بھی چوری کرنی نہیں آتی"۔ دوسرا آدمی اس سے کہہ رہا تھا۔

اندھیرا گہرا تھا۔ اس لئے رشید ان آدمیوں کو دیکھ نہیں سکا۔ اسے ابھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور کمرے کے اس گوشے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے درہم روشنی چھن چھن کر اندر آرہی تھی۔

وہ کمرے میں ٹٹول کر چلنے لگا۔ اچانک وہ زمین پر پڑی کسی سخت شے سے ٹکرایا۔ وہ دھڑام سے اس شے پر گرگیا۔ وہ ابھی سنبھل کر اُٹھنے کی کوشش کررہا تھا کہ کسی نے اس کے چہرے پر زوردار مکہ رشید کیا۔

"سالے حرامزادے ماں کا گھر سمجھ رکھا ہے کیا۔ دیکھتا نہیں کہ نیچے تمہارا باپ سویا ہوا ہے۔" ایک آدمی کی گرجدار آواز گونجی۔

"میں کہاں ہوں۔؟" رشید اس سے سوال کرنے لگا۔

"بیٹھ نیچے سالے اور بول کتنا مال اڑایا ہے۔" اس آدمی نے رشید کا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے نیچے بٹھادیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"کون سا مال۔؟ میں کیا ہوں۔" مجھے یہاں کس نے لایا۔؟ کیوں لایا گیا مجھے یہاں۔" رشید بوکھلا کر اس آدمی سے ایک ساتھ کئی سوال کرنے لگا۔

"اے سالے۔ معصوم بننے کی کوشش مت کر۔ بالکل نئے رنگروٹ لگتے ہو اب صاف صاف بولو کس کس جرم میں گرفتار ہو چکے ہو۔" وہ آدمی اس سے پوچھنے لگا۔

"گرفتار۔!" رشید کے پاؤں سے زمین سرکنے لگی۔

رشید غور سے دوبارہ اس گندے کمرے کے چاروں طرف دیکھنے لگا جہاں انسانوں کو جانوروں کی طرح ایک دوسرے پر ٹھونسا گیا تھا۔ یہ ایک لمبا چوڑا کمرہ تھا۔ کمرے کی دیواروں سے پلاسٹر اکھڑ اکھڑ کر گر چکا تھا شاید اس حوالات میں بند قیدیوں نے ان دیواروں کو نوچا ہوگا۔ کمرے کے ایک طرف غلاظت کا ڈھیر جمع تھا چوہے۔ کیڑے مکوڑے کھلم کھلا کمرے میں موجود تھے ان کو شاید قیدیوں کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔ کمرے کے اگلے حصّے میں لوہے کی سلاخوں سے اپنا مظبوط دروازہ لگا ہوا تھا۔ صرف ان سلاخوں میں مدہم روشنی آرہی تھی وہیں سے کبھی کبھی تازہ ہوا کے جھونکے اندر آتے تھے لیکن اندر غلاظت کی بدبو میں تحلیل ہوجاتے تھے۔ غرض یہ کمرہ جانوروں کے قابل بھی نہ تھا لیکن یہاں آدمیوں کو ٹھونس ٹھونس کر رکھا گیا تھا۔

"مجھے گرفتار کیوں کیا۔؟ میری خطا کیا ہے۔" رشید اس آدمی سے معصومانہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"ارے حرام خور میرے سامنے چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ میرا نام نہیں سُنا ہے۔ میں اصد پاچہ ہوں۔ اصد پاچہ۔ یہاں کا بچہ بچہ میرا نام سے واقف ہے۔ میں بس کبھی کبھی شوقیہ اس تھانے میں آرام کرنے آتا ہوں۔ یہاں تم جیسے نئے رنگروٹوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ آج تم نئے رنگروٹ لگتے ہو۔ بتاؤ کس چیز میں ماہر ہو۔ جیب کتری میں۔؟ نقب زنی میں۔؟ دھوکہ بازی میں۔؟ بتاؤ کس کام کو اچھی طرح نبھاسکتے ہو۔ ہم تمہیں بہت کام دینگے۔ بس تم کو ہمارا آدمی بننا ہے۔ اصد پاچہ کا آدمی سمجھے۔" اصد پاچہ رشید کو سمجھانے لگا۔

"کون پاچہ۔؟ کیسا کام۔؟ میں کچھ نہیں جانتا۔ مہربانی کرکے مجھ سے دور رہو۔" رشید اصد پاچہ کی باتوں سے پریشان ہوکر کہنے لگا۔ وہ اصد پاچہ سے اپنے آپ کو چھڑا کر سلاخوں کے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ دروازے کو ہلا کر وہ اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ سلاخوں میں سے جھانک رشید نے باہر ایک موٹا تالا لٹکا ہوا دیکھا۔ جھنجھلا کر رشید نے آہنی دروازے کی سلاخیں دونوں ہاتھوں سے پکڑیں اور وہ زور زور سے دروازہ ہلا کر چیخنے لگا۔

" ارے کوئی ہے۔! مجھے یہاں کون لایا ہے۔ مجھے گرفتار کیوں کیا گیا۔؟ میری خطا کیا ہے۔ میرا جرم کیا ہے۔؟"

"پیدا ہونا ہی جرم ہے۔؟" اندھیرے سے کسی مجرم کی آواز ابھری۔

"ارے سالے دروازہ ہلانے سے کیا ہوگا۔ یہ پولیس والے تھوڑی ہی کسی کی آواز سنتے ہیں۔" کسی دوسرے قیدی نے پیچھے سے کہا۔

رشید دوبارہ دروازہ ہلا کر چیخنے لگا۔ اچانک اصد پارچہ نے اس کی گردن پیچھے سے پکڑ لی۔

"حرام خور تم نے میری بے عزتی کی۔ میری باتیں سننے سے انکار کیا۔" اصد پارچہ رشید کی گردن سلاخوں میں پھنسا کر زور سے دبانے لگا۔

"اصد پاچہ آج ایک اور قتل کرے گا۔" ایک قیدی دوسرے قیدی سے کہنے لگا قتل کرنا اصد پاچہ کی شان تھی۔ اس کا حق تھا۔ اس کی طاقت تھی اسی طاقت کی سیاست دانوں کو ضرورت تھی ان کو وہ چاہئیے جو بیلٹ بکس دن دھاڑے ان کے لئے تبدیل کردے۔ جو طاقت کے بل بوتے پر سیاستدانوں کے مخالفوں کو دبائیے۔ سیاستدانوں کا ہاتھ پاچہ کے سر پر تھا اس لئے قتل کرنے کے باوجود وہ آزاد گھومتا تھا۔ صرف چند دنوں کے لئے اسے جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ پھر پاچہ کی مرضی کے مطابق اسے رہا بھی کیا جاتا تھا۔ اصد پاچہ نے اپنی الگ غنڈوں کی فوج بنائی تھی۔ جو سیاسی ہنگاموں کے وقت کام آتی تھی۔ اسکے علاوہ اصد پاچہ سیاستدانوں کے دوستوں کے لئے بھی کام کرتا تھا۔ اصد پاچہ کی حیثیت شطرنج کے مہرے کی تھی۔ جسکو بساطِ سیاست کے کھلاڑی مناسب وقت پر استعمال کرتے تھے۔

اصد پاچہ اپنے فولادی ہاتھوں سے رشید کی گردن دبانے لگا۔ رشید کی آنکھیں اُبل کر باہر آنے لگیں۔

چرس کے نشے میں مدہوش دو قیدی لڑکھڑاتے ہوئے اصد پاچہ کے پاس پہنچے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اصد پاچہ تم بادشاہ ہو۔ کیوں ایک چھوٹی مکھی کو مار کر اپنے ہاتھ گندے کر رہے ہو۔ معاف کردو۔ اسے چھوڑ دو بادشاہ۔ وہ چرسی اصد پاچہ سے رشید کی زندگی مانگنے لگے۔ دونوں چرسیوں کی درخواست پر اصد پاچہ نے رشید کو چھوڑ دیا۔ رشید دھڑام سے سمینٹ کے فرش پر گر پڑا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔

"ارے بے وقوف نہیں جانتے بادشاہ کو۔ ہاں۔ آہ نہیں جانتے۔ بادشاہ بادشاہ ہے۔ یہاں ہر سانس بادشاہ کی مرضی سے لینی پڑتی ہے۔" ایک چرسی رشید سے کہنے لگا۔

رشید ان سب چیزوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اسے آہستہ آہستہ سے یاد آگیا کہ وہ سلیمہ کے ساتھ خواجہ طاروقی کے پاس نکاح پڑھوانے گیا تھا۔ خواجہ نے وہاں اپنا شیطانی روپ دکھایا۔ وہ جب غصے کی حالت میں طاروقی پر جھپٹا تھا تو کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز دے ماری۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اسے جب ہوش آیا تو اس نے خود کو اس قید خانے میں پایا۔ وہ نیچے فرش پر چت پڑا ہانپ رہا تھا۔ اصد پاچہ اسکے سینے پر اپنا ایک پیر رکھ کر کہنے لگا۔

"اے لونڈے۔ آج تم کو چھوڑ دیا۔ لیکن اگر دوبارہ تم نے کبھی میری بات سننے سے انکار کیا تو تم بچ نہیں سکتے۔ سمجھے"۔ اصد پاچہ نے کہا۔

"سمجھ گیا۔ سمجھ گیا بادشاہ۔" ایک قیدی نے رشید کو بچانے کی خاطر جلدی جلدی اصد پاچہ سے کہا۔

"بادشاہ۔ تم بیٹھو آرام سے ہم اس کو سمجھائیں گے۔" ایک دوسرے قیدی نے اصد پاچہ سے کہا۔

اصد پاچہ ایک طرف غلاظت کے ڈھیر کے پاس بڑی اکڑ کے ساتھ بیٹھ گیا "دیکھو اے لڑکے۔ تم نہیں جانتے اصد پاچہ کو یہ اس وادی کے مجرموں کا دادا ہے۔ یہ بڑی کرسی والوں کا آدمی ہے۔ دو چار دن حوالات میں رہ کر اسے دوبارہ ان کا کام کرنے کے لئے چھوڑا جاتا ہے۔ اس کا آدمی بننے کے بغیر کوئی چارا نہیں۔ یہی دیکھو میں نے ایک دفعہ ایک آدمی کی جیب کاٹ کر ایک ہزار روپیہ حاصل کیا اس میں سات سو روپیہ اصد پاچہ کو دیا۔ اصد پاچہ نے اوپر کرسی والوں تک خود اپنا حصہ پہونچایا۔ اصد پاچہ کے سامنے نا قانون ہے نہ انصاف۔ یہی دیکھو آج

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اصد پاچہ کو ایک بوڑھی عورت کے قتل میں گرفتار کیا گیا ہے اس بوڑھی عورت نے ساری عمر سوت کات کات کر ایک زمین کا ٹکڑا خرید لیا تھا۔ ایک آدمی علی جو نے زبردستی اس غریب بڑھیا کی زمین پر قبضہ کر کے ایک دوکان تعمیر کی۔ محلے والوں کے ڈر سے علی جو نے اصد پاچہ کو مدد کے لئے بلایا۔ اصد پاچہ کو اپنا حصہ ملا اور اوپر کرسی والوں کو اپنا حصہ اصد پاچہ کی موجودگی میں محلے والوں نے تعمیر کا کام روکنے کی جراءت نہیں کی۔ بڑھیا کی زمین ہڑپ کی گئی اس کے کاغذات کی کوئی اہمیت نہ رہی بڑھیا اپنا سینہ کوٹتی ہوئی آئی جب کسی نے اس کی بات نہ سُنی تو غصّے کے عالم میں اس نے اصد پاچہ کا گریبان پکڑلیا۔ اس نے اصد پاچہ کا مُنہ نوچنا چاہا۔ بس بادشاہ کو غصہ آیا۔ اصد پاچہ نے بڑھیا کے بال پکڑ کر اسے چاروں طرف کھینچا اور پھر ایک زوردار دھکا دے کر اس لاغر عورت کو دور پھینکا۔ وہ ایک پتّھر سے ٹکرا کر وہیں مرگئی۔ یہ اصد پاچہ کا نیا قتل تھا۔ شور اُٹھا۔ اخبار والوں نے حکومت سے انصاف مانگا۔ کرسی والے پریشان ہوگئے۔ اصد پاچہ کو بلایا گیا اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ کچھ دنوں حوالات میں رہے تاکہ لوگ خاموش ہوجائیں۔ اصد پاچہ نے ان کی بات مان لی۔ آج کل اسی لئے اصد پاچہ یہاں ہے۔ چند دنوں بعد پھر آزاد گھومے گا۔ اس لئے کوئی اس سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ آدمی جیل کے اندر ہو یا باہر اصد پاچہ کا ساتھی بن کر رہنا پڑتا ہے۔ اس کو اپنا حصّہ دینا پڑتا ہے۔ ورنہ آدمی کی خیر نہیں۔" ایک قیدی جس نے رشید کی زندگی بچائی تھی رشید کو سمجھانے لگا۔

رشید نے اصد پاچہ کی ساری کہانی سُن لی۔ اسے لگا کہ اس شہر کا ہر آدمی چور ہے۔ ہر آدمی اصد پاچہ کا دوسرا روپ۔ اسے خواجہ طاروقی اور اصد پاچہ ایک جیسے دکھائی دینے لگے۔ وہ خاموش رہا۔ اس نے اس قیدی کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اندھیرے کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اصد پاچہ بھی اپنی آنکھیں بند کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر آرام کر رہا تھا۔ چند قیدی چرس کے نشے میں مدہوش تھے چند قیدی سوئے ہوئے تھے۔ وہ قیدی بھی خاموش ہوچکا تھا۔ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے رشید کو سمجھا رہا تھا۔ کمرے کی فضا غلاظت کی بدبو سے لبریز تھی۔ بیچ بیچ میں چند قیدیوں کے خراٹے گونج رہے تھے۔ دور سے قدموں کی چاپ سُنائی دینے لگی۔ کوئی اس کمرے کے نزدیک آرہا تھا۔ چند لمحوں کے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بعد آہنی دروازہ کھولا گیا۔ ایک کانسٹبل دروازے پر کھڑا تھا۔

"اوہ۔ تم میں سے رشید کون ہے کون حرام خور ہے۔ جلدی آجاؤ ادھر۔" حولدار نے گرجدار آواز میں کہا۔

"میں ہوں۔ میں۔" رشید اپنا نام سنکر اچھل پڑا۔

"ادھر آجاؤ۔" کانسٹبل نے اسے حکم دیا۔

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا۔؟ ان جانوروں میں مجھے کیوں رکھا گیا۔؟ میری خطا کیا ہے؟" رشید نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات پوچھے۔

"ارے چل حرامزادے۔ صاحب نے تمہیں بلایا ہے۔" حولدار رشید کی قمیض کا گریبان پکڑ کر اسے کھینچ کر حوالات سے باہر لے آیا۔ پھر فوراً حوالات کا دروازہ بند کیا دروازہ بند کرنے کے بعد حولدار برابر رشید کو اسی طرح کھینچ کر گھسیٹنے لگا۔

"بدتمیز۔ چھوڑ مجھے۔ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جارہا ہے۔؟" رشید چیخنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن حولدار تو ان چیخوں کا عادی تھا وہاں سے برابر کھینچتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد رشید کو انسپکٹر اکرام کے کمرے میں پہونچایا گیا۔

"صاحب یہ ہے کل شام والا چھوکرا رشید۔" حولدار نے انسپکٹر اکرام سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ چھوڑ دو اس کو یہاں پر اور تم دفعہ ہوجاؤ انسپکٹر نے حولدار سے کہا۔

حولدار کے جانے کے بعد انسپکٹر اکرام نے رشید پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔

"کیا تمہارا نام رشید ہے۔؟" انسپکٹر نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں" رشید نے جواب دیا۔

"کل شام تم نے اس شہر کی معزز شخصیت مولانا طاروقی پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔" انسپکٹر نے اس سے کہا۔

"قاتلانہ حملہ۔!" رشید اُچھل پڑا "نہیں۔ انسپکٹر۔ یہ جھوٹ ہے۔ حملہ تو اسی شیطان صفت آدمی نے مجھ پر کیا۔" رشید چلانے لگا۔

انسپکٹر اکرام کے چہرے پر عجیب مُسکراہٹ دوڑنے لگی۔

"ایک ذی عزت ایماندار۔ قابل احترام وعظ اعلےٰ مولانا صاحب کو شیطان صفت آدمی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

/ کہنا دوسرا جرم ہے۔ انسپکٹر اس سے کہنے لگا۔

"آپ سب ایک جیسے ہو۔ اندر حوالات میں بند اصد پاچہ اور خواجہ طاروقی میں مجھے کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ اور وہ لوگ جو انصاف نہیں کرسکتے وہ بھی ان دونوں کی طرح ذلیل ہیں۔ قابل لعنت ہیں۔" رشید کسی خوف کے بغیر کہنے لگا۔

انسپکٹر اکرام نے ایک بار پھر رشید پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ رشید ابھی کھڑا تھا۔

"بیٹھو۔!" انسپکٹر نے کرسی کی طرف اشارہ کرکے رشید سے کہا۔ رشید خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"انسپکٹر صاحب مجھے پانی چاہیئے۔" رشید نے اپنی خشک زبان سے کہا انسپکٹر اکرام نے رشید کے لئے چائے اور پانی منگوایا۔ رشید کل سے بھوکا تھا وہ پانی اور چائے پر جھپٹ پڑا۔ اسنے جلدی جلدی وہ روٹیاں بھی کھالیں۔ جو چائے کے ساتھ تھیں۔ انسپکٹر اکرام اتنی دیر خاموش رہا۔ وہ اس نوجوان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ رشید کو اب کچھ ہوش آگیا۔ وہ احسان بھری نگاہوں سے انسپکٹر اکرام کی طرف دیکھنے لگا۔

"انسپکٹر صاحب۔ بہت بہت شکریہ آپ کا۔" اس نے کہا۔ انسپکٹر اکرام کے اچھے برتاؤ سے رشید کے ذہن پر چھایا ہوا خوف دور ہوگیا۔

"ہاں رشید میں تم سے کہہ رہا تھا کہ تم کو اقدامِ قتل کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ ہم نے تمہارے خلاف دفعہ ۳۰۷ کے تحت چالان بھی کاٹ لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ضمانت بھی مشکل ہے اور تمہیں دس سال کی قید ہوسکتی ہے۔" انسپکٹر اکرام رشید پر اس کی گرفتاری کی وجہ سے واضح کرنے لگا۔

"لیکن انسپکٹر صاحب۔ یہ سب غلط ہے میں نے اقدامِ قتل نہیں کیا بلکہ مولانا طاروقی نے مجھ پر حملہ کیا۔ یہ دیکھ لیجیئے میرا زخمی سر۔" رشید انسپکٹر کو اپنے سر کی چوٹ دکھانے لگا۔

"ہر مجرم اپنے آپ کو بے گناہ کہتا ہے۔" انسپکٹر اکرام نے اس سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب آپ کے برتاؤ سے مجھے لگ رہا ہے کہ اس اندھیر نگری میں آپ ایک ایسے آدمی ہیں۔ جو سچائی کو سمجھ سکتے ہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں مجرم نہیں بلکہ خواجہ طاروقی مجرم ہے۔ مجھ پر یقین کیجیئے کہ میرے خلاف ایک غلط الزام لگایا ہے میں تو اسے قابل

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احترام سمجھ کر اس کے پاس نکاح پڑھوانے گیا تھا لیکن اسنے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ میری ہونے والی بیوی کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں۔ انسپکٹر صاحب یہ ظلم کی انتہا ہے۔ مجھے ان ہی سلاخوں میں بند کروا کر خواجہ طاروقی نے قانون اور انصاف کا مذاق اڑایا۔" رشید انسپکٹر سے کہنے لگا۔

رشید کی باتیں سُن سُن کر چند لمحوں کے لئے انسپکٹر اکرام جھنجھوڑ اٹھا۔ رشید کی آنکھوں سے سچائی ٹپک رہی تھی اور انسپکٹر اکرام ہر حقیقت سے واقف تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ آج اس کے ہاتھوں سے ایک بار پھر ایک بے گناہ اور معصوم نوجوان پر ظلم ہورہا ہے۔ اس کا ضمیر آج رشید کی باتوں سے جاگ اُٹھا۔

"بیٹے۔" میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں لیکن میں بھی تمہاری طرح مجبور ہوں میں خود دیکھ رہا ہوں کہ ظلم ہورہا ہے اور مجھے ظالم کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ مجھے روٹی چاہئیے۔ اگر میں اپنے ضمیر کی بات سُنوں۔ اپنے ایمان کو پھسلانے میں آؤں تو میری بیوی بچے بھوک کے عالم میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں گے۔ اور کوئی ان کا ساتھ نہیں سے دے گا۔ اگر میں بے ایمانوں کی دنیا میں ایمان کا جھنڈا بلند کردوں تو کل تمہاری طرح مجھے اپنی آہنی سلاخوں کے پیچھے کسی جھوٹے الزام میں پھنسا کر دھکیل دیا جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ انصاف اور قانون کا خون ہو رہا ہے لیکن مجھ میں آواز اٹھانے کی جراءت نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ قاتل ایک ہوتا ہے اور اس کا الزام کسی دوسرے کے سر پر تھوپنا پڑتا ہے۔ عورت سیاست، دولت، اثر رسوخ یہی چند شطرنج کے مہرے استعمال کر کے اس دنیا میں کھیل کھیلا جاتا ہے۔ میں کبھی کبھار خود جھونپڑیوں پر چھاپہ مار کر جوان غریب اور لاغر لڑکیوں کو جسم کا ناجائز کاروبار کرنے کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔ یہ لوگ روٹی کی خاطر اپنا جسم بیچتے ہیں اور ان کو پکڑنے کے لئے مجھے حکومت سے تمغے ملتے ہیں۔ لیکن ان بڑے بڑے بنگلوں میں داخل ہونے کی جراءت نہیں کرسکتا جہاں ذی عزت لوگ کھلے عام ننگی جوانیوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ میں ایک چپراسی۔ کلرک یا کسی بے سہارا معمولی ملازم کو رشوت لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے ہتھکڑیاں پہناتا ہوں لیکن یہ گنہگار ہاتھ خود بڑے بڑے عہدے والوں کو نوٹوں کے بنڈل پیش کرتے ہیں۔ بیٹے یہ طاقت طاقت کی بات ہے۔ ہم ہر ایک کو اس کے اثر و رسوخ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کی طاقت کے مطابق جانچتے ہیں۔ جس کا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ قانون کے پنجوں میں پھنس جاتا ہے۔

"بیٹے میں سمجھ رہا ہوں کہ تم بے قصور ہو لیکن جس طاقت نے تمہیں سلاخوں کے پیچھے کروایا ہے اس کے سامنے میری حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے تم سمجھدار لڑکے ہو میری ہر بات تم نے سمجھ لی ہوگی۔" انسپکٹر اکرام نے آج پہلی بار کسی کے سامنے اس طرح اپنے ضمیر کو بے نقاب کیا۔

رشید انسپکٹر کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ پولیس میں ہر کوئی برا نہیں بلکہ معاشرہ بُرا ہے۔ وہ لوگ بُرے ہیں۔ جنہوں نے ہر ایک کی شہ رگ پر اپنا ہاتھ رکھا ہے۔ جو اپنے مطلب کے لئے سماج۔ قانون۔ انصاف غرض ہر شے کو استعمال کرتے ہیں۔ جنکے اشاروں پر قانون بنے ہیں اور قانون بدلتے ہیں۔ دنیا میں دستور بنتے ہیں۔ مظلوموں کی آوازیں دبتی ہیں۔ جن کی خاطر انسپکٹر اکرام جیسے لوگ اپنے ضمیر کو کچل کر وہ کام کرتے ہیں جو وہ کرنا نہیں چاہتے۔ ان لوگوں کا مقصد ہے کہ صرف انکی بات مانی جائے۔ جنہوں نے سماج کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کیا ہے۔ ان لوگوں نے ہر ایک کو دولت کی ڈور سے باندھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کی خوراک ہے۔ ایمان کا خون اور سچائی کے آنسو۔ یہ لوگ مسکراتے ہیں جب کسی کا دل ٹوٹ جائے اور اس وقت قہقہے لگاتے ہیں۔ جب کوئی ظلم کی چوکھٹ پر سسک سسک کر مر جائے کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ رشید اپنی جگہ سوچ رہا تھا اور انسپکٹر اکرام اپنی جگہ سوچ رہا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔"؟ انسپکٹر نے اچانک رشید سے پوچھا۔

"بس اس خاموش زبان نے کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ بہت کچھ سوچ رہا ہوں لیکن بہت کچھ نہیں کر سکتا یوں سمجھ لیجئے کہ سوچنا آتا ہے لیکن کہنا آتا نہیں۔" رشید نے کہا۔

"رشید تمہارے گھر میں کون کون ہے۔؟" انسپکٹر نے اچانک باتوں کا رخ تبدیل کیا۔

"کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں۔ میں اکیلا ہوں اس دنیا میں اگر کوئی میرا ہے تو وہ سلیمہ ہے۔ ہم دونوں بہت عرصہ سے ایک دوسرے سے محبت کر رہے ہیں۔ کل ہم دونوں ہمیشہ کیلئے ایک بننے جا رہے تھے۔ ہم دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا چونکہ سلیمہ کا باپ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس شادی کے خلاف تھا اس لئے ہم دونوں خود خواجہ کے پاس نکاح پڑھوانے گئے لیکن وہاں خواجہ طاروقی سلیمہ کے باپ کا دوست نکلا۔ اس نے زبردستی شادی کرنے سے روکا مجھے پکڑنے اور مارنے کے لئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ خواجہ طاروقی شیطان صفت آدمی نکلا۔ مجھے یہاں قید خانے میں بھیجا اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ سلیمہ کہاں ہے۔ انسپکٹر مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں۔ کسطرح اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کروں۔ کس طرح اپنی سلیمہ کو بچالوں۔" رشید نے انسپکٹر سے کہا۔

" دیکھو رشید مجھے اسی لئے بلایا گیا ہے مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں کہ تم سلیمہ کے ساتھ شادی کرنے کا خیال اپنے ذہن سے نکالو۔ سلیمہ نام کو بھی بھول جاؤ۔ وہ ایک ایسے خاندان کی لڑکی ہے جو خواجہ طاروقی کے خاندان کا دوست ہے سلیمہ کا خاندان اس سماج میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا باپ ایک معزز شہری ہے۔ اس نے تم جیسا بے سہارا آدمی نکر نہیں لے سکتا۔ آج تمہیں صرف جیل میں بند رکھا گیا کہ کل اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے تم سلیمہ کا خیال چھوڑ کر اپنی زندگی بناؤ۔" انسپکٹر اکرام نے رشید سے مطلب کی بات کہی۔

" نہیں۔ انسپکٹر۔ نہیں۔" رشید چیخ اٹھا۔

" میں سلیمہ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ مجھ کو چاہتی ہے ہم دونوں نے ایک ساتھ جینے اور مرنے کا وعدہ کیا ہے۔ سلیمہ پہلی لڑکی ہے جس نے مجھے محبت جیسی انمول شے سے واقف کرایا۔ جس نے مجھے حقیقی پیار کا پیغام دیا۔ جس نے میری مردہ روح میں عشق کی حرارت پھونک دی۔ میں مرکر بھی سلیمہ کو بھول نہیں سکتا۔" رشید نے کہا۔

" رشید کیوں خواہ مخواہ آگ سے کھیل رہے ہو۔ آج تمہارے خلاف صرف دفعہ ۳۰۷ کے تحت رپورٹ لکھوائی گئی کل تم کو دفعہ ۳۰۲ میں ملوث کیا جاسکتا ہے۔ بے قصور ہوکر بھی تمہارے خلاف ہزاروں ثبوت بنائے جاسکتے ہیں۔ تمہارے گلے میں پھانسی کا بے رحم پھندا بھی پڑ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ چند اشاروں میں کیا جاتا ہے۔ دیکھو رشید۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے اس لئے میں اپنے طور بھی تم سے کہتا ہوں کہ خطرناک لوگوں سے الجھنا اچھا نہیں۔ تم کو ابھی اُن کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے لیکن جب تم ان کی اصلی طاقت کو دیکھ لوگے تو تمہیں سمجھ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں آئے گا کہ میں کیوں تم کو ایسا مشورہ دے رہا تھا۔" انسپکٹر اکرام رشید کو ہمدردانہ لہجے میں سمجھاتا رہا۔

"انسپکٹر صاحب آپ مجھے غلط مشورہ دے رہے ہیں۔ میں سلیمہ سے جُدا ہو کر اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" رشید نے انسپکٹر سے کہا۔

"پھر رشید میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں اسی حوالات میں سڑنا ہوگا جہاں اصد پاچہ جیسے لوگوں کا راج ہے۔ تمہارے خلاف باضابطہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوگا اور تمہیں دس سال کی سزا مل سکتی ہے۔ ایک بد نصیبی یہ ہے کہ اس وقت تمہارا ایسا کوئی نہیں جو تم کو ضمانت پر رہا کرا سکے۔ رشید مجھے تم سے ہمدردی ہوگئی اسی لئے میں تم کو مشورہ دے رہا ہوں۔" انسپکٹر اکرام نے پھر رشید کو سمجھانے کی کوشش کی۔

انسپکٹر صاحب میں آپکی باتیں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں لیکن آپ یہ مت سمجھ لیجئے کہ رشید اتنا بزدل اور ضمیر فروش آدمی ہے جو صرف جیل اور سزا کے ڈر سے سلیمہ کو بھول جانے کا وعدہ کرے۔ مجھے سلیمہ سے کوئی جُدا نہیں کر سکتا۔ انسپکٹر صاحب میں اپنی زندگی بچانے کے لئے محبت جیسی مقدس شے کی قربانی نہیں دے سکتا۔ نہیں مجھ میں یہ قربانی دینے کی طاقت نہیں ہے۔" رشید نے ایک ارادے کے ساتھ کہا۔

اچانک انسپکٹر کے سامنے ٹیبل پر رکھے فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ انسپکٹر اکرام نے رسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔ پولیس اسٹیشن ہے یہ۔" انسپکٹر نے فون پر کہا۔

"ہاں۔ رشید۔ یہیں پر ہے۔ لیجئے بات کیجئے۔" انسپکٹر اکرام نے فون پر یہ بات کہہ کر فون رشید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"رشید تمہارا فون ہے۔"

"میرا فون!" رشید حیران ہوگیا۔ اس نے جلدی سے فون لے لیا۔ دوسری طرف سے آواز آرہی تھی۔

"رشید میں سلیمہ بول رہی ہوں۔ سلیمہ رشید مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ کل سے مجھے یہاں کمرے میں باندھ کر رکھا گیا ہے۔ میرے ظالم باپ نے مجھے بہت مارا۔ اب میری ماں نے مجھے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوری چوری کھولا ہے۔ رشید تم کو جیل میں رکھا گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ رشید۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم دونوں کو اتنی سزا کیوں دی جا رہی ہے۔" آنسوؤں میں ڈوبی سلیمہ کی آواز رشید کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ہاں سلیمہ میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہوگا۔" رشید اس سے کہنے لگا۔

"رشید مجھ پر یقین رکھنا اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے جائیں تو بھی کوئی میرے دل سے تمہارا خیال نہیں نکال سکتا۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ رشید۔ پیار کرتی ہوں۔ میں رشید سے پیار کرتی ہوں۔ پیار کرتی ہوں۔ پیار کرتی ہوں۔" سلیمہ ٹیلیفون پر ہسٹریا کے مریضہ کی طرح چلانے لگی۔

"چٹاخ۔ چٹاخ۔ چٹاخ۔ حرامزادی۔ ابھی تک تم نہیں سنبھلی۔" ٹیلی فون پر مارنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ کوئی مرد سلیمہ کو بے تحاشا مار رہا تھا۔

"آہ۔ میں رشید کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" رشید فون پر سلیمہ کی سسکیاں سننے لگا۔ پھر کسی نے سلیمہ کے ہاتھوں سے فون چھین لیا۔ فون کٹ گیا۔ رشید اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"انسپکٹر صاحب۔ وہ لوگ میری سلیمہ کو مار رہے ہیں۔ وہ مر جائے گی۔ انسپکٹر صاحب اسے بچائیے۔ میری سلیمہ کو بچائیے۔" رشید انسپکٹر سے التجا کرنے لگا۔

"سنبھل جاؤ رشید۔ سنبھل جاؤ۔ سب ٹھیک ہوگا۔" انسپکٹر اکرام رشید کی حالت سمجھ کر اسے دلاسہ دینے لگا۔ اسنے سلیمہ کی باتیں سُن لی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ کہ ان دو معصوموں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ اس نے شفقت اور ہمدردی کے ملے جلے احساس کے تحت رشید کہ کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"انسپکٹر۔" رشید اپنے کندھے پر انسپکٹر کا ہاتھ محسوس کر کے وفور جذبات اور غم کے عالم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"انسپکٹر صاحب کیا جرم کیا ہے ہم دونوں نے۔" کیوں اس معصوم لڑکی پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے۔؟ کیوں مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا۔؟ کیوں آخر کیوں کیا کسی کو دل کی گہرائیوں سے چاہنا ظلم ہے۔ کیا محبت کرنا گناہ ہے۔؟ کیا محبت اور عشق کو سونے اور چاندی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ترازو میں تولنا ضروری ہے۔ جب سلیمہ میرے ساتھ آدھی سوکھی روٹی کھا کر خوش رہ سکتی ہے۔ پھر زبردستی اسے سونے کے برتنوں میں خون اور آنسوؤں میں بھیگی روٹیاں کھلانے پر کیوں مجبور کیا جارہا ہے۔؟ مجھے سلیمہ کی زندگی سے دور ہٹانے کی کوششیں کیوں کی جارہی ہیں۔؟ آخر کیوں۔؟ رشید نے مجبوری کے عالم میں انسپکٹر اکرام پر سوالوں کی بوچھاڑ کی۔

"یہ دنیا کا کھیل ہے بیٹے۔ ہم اور تم دونوں مجبور ہیں۔" انسپکٹر اکرام نے سب سوالوں کے جواب میں صرف اتنا کہا۔

انسپکٹر صاحب۔ دنیا سے کہہ دو۔ اس دنیا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے والے آقاؤں سے کہہ دو کہ سلیمہ اور رشید کو کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتا۔ دولت کے پجاریوں سے کہہ دو کہ سلیمہ اور رشید کے پیار کا سودا نہیں کیا جاسکتا۔ انسپکٹر صاحب میں واپس حوالات میں آئینی سلاخوں کے پیچھے جارہا ہوں۔ پہلے میں اس گندے قید خانے میں گھبرا گیا تھا لیکن اب مجھے وہاں چین ملے گا۔ کیونکہ مجھ سے رہائی کے عوض سلیمہ کے پیار کی قربانی مانگی جارہی ہے۔ نہیں۔ میں یہ سودا جیتے جی نہیں کرسکتا۔ انسپکٹر صاحب آپ اپنے حولدار کو دوبارہ بلائیے تاکہ وہ مجھے حوالات میں پہونچا دے۔

انسپکٹر اکرام خاموش تھا۔ وہ آج قانون کے تمام قاعدوں کو توڑ کر رشید کو رہا کرنا چاہتا تھا۔ سلیمہ کے گھر جاکر اسے اس کے باپ کے ظلم سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ رشید اور سلیمہ کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ سب سوچنے کی باتیں تھیں۔ اس کے ہاتھ آہنی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

"حولدار۔!" انسپکٹر اکرام کو آواز دی حولدار فوراً حاضر ہوا۔

"جناب۔!" حولدار سلامی پیش کرکے انسپکٹر کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

"اس کو واپس حوالات میں لے جاؤ۔" انسپکٹر نے حکم دیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔" حولدار نے معمول کے مطابق رشید کا کالر پکڑا۔ پھر وہ رشید کو کھینچتا ہوا رشید کو حوالات کی طرف لے جانے لگا۔

"ٹھیرو۔ چھوڑ دو اسے۔" تھانے میں ایک آواز گونجی۔ سب چونک پڑے۔ سب کی نظریں اس آواز کی جانب اٹھیں۔ تھانے کے دروازے پر شہر کا مشہور ایڈوکیٹ اشرف کھڑا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا۔ اس نے سفید قمیض۔ سفید پتلون اور کالا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی ٹائی بھی کالی تھی اس کی شخصیت با اثر اور باوقار نظر آرہی تھی۔

"کیا بات ہے وکیل صاحب۔؟" انسپکٹر اکرام نے نرمی کے ساتھ اس سے پوچھا اس لڑکے کو رہا کردو۔ ایڈوکیٹ نے رشید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں ہم اس کو رہا نہیں کرسکتے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"آپ کیا۔ آپ کا آئی جی پی بھی اس لڑکے کو قید میں نہیں رکھ سکتا۔"

یہ کہہ کر ایڈوکیٹ اشرف نے عدالت کے کاغذات انسپکٹر کو پیش کئے۔

انسپکٹر اکرام کاغذات پڑھنے لگا۔ وہ حیران ہوگیا۔

"اُف۔ اوہ۔ یہ سب کیسے۔" انسپکٹر حیرانی سے کہنے لگا۔ ایڈوکیٹ اشرف کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔

"چلیے رشید صاحب میرے ساتھ چلیے۔" اس نے رشید سے کہا۔

رشید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ پہلی بار اس ایڈوکیٹ کو دیکھ رہا تھا اس سے پہلے اس نے کبھی اس کو نہیں دیکھا تھا۔

"حولدار جانے دو رشید کو۔" انسپکٹر اکرام نے حولدار کو حکم دیا۔

"رشید تم کو رہا کیا گیا۔ اب تم جاسکتے ہو۔" انسپکٹر نے رشید سے کہا۔

"لیکن۔!" رشید نے انسپکٹر سے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"جی ہاں رشید۔ یہاں کے ایک معزز شہری نے دس لاکھ کی ضمانت پیش کر کے ہائی کورٹ سے تمہارے حق میں رہائی کا حکم لایا ہے"۔ انسپکٹر نے رشید سے کہا۔

"نہیں یہ نہیں ہوسکتا کوئی اور ہوگا۔ رشید نے انسپکٹر سے معصوم لہجے میں کہا۔ پھر رشید ایڈوکیٹ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔

"وکیل صاحب۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہورہی ہے۔ اس دنیا میں میرا کوئی ایسا ساتھی نہیں ہے جو میرے لئے ضمانت دے دے۔ یہ کوئی دوسرا رشید ہوگا۔" رشید ایڈوکیٹ اشرف کو سمجھانے لگا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"رشید صاحب آپ کی ساری کہانی ہمیں معلوم ہے۔ کل اس تھانے میں خواجہ طاروقی نے آپ کے خلاف جو غلط رپورٹ لکھوائی ہے اس شہر کی معزز شخصیت کو اس کا علم ہوا۔ اس نے آپ کو بچانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ آپ کی شادی سلیمہ کے ساتھ ہوجائے گی۔" ایڈوکیٹ اشرف نے رشید سے کہا۔

"کون ہے وہ فرشتہ۔؟" رشید نے وکیل سے پوچھا۔

"جمال۔!" ایڈوکیٹ نے جواب دیا۔

"جمال۔" رشید یاد کرنے لگا کہ اس نے یہ نام پہلے کہیں سُنا ہے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آٹھواں باب

جس طرح سلام کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے وقت جمال کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ اسی طرح آج بھی جمال کی آنکھوں کا خون آتش فشاں کے لاوے کی طرح اُبل رہا تھا۔ اُس دن ثُریا اس کے سامنے برہنہ ایک بے سہارا پتے کی طرح لرز رہی تھیں۔ لیکن آج ثُریا نفیس پوشاک میں ملبوس اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے جمال کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ثُریا کافی سوچ سمجھ کر جمال سے ملنے اس کے ہوٹل میں آئی تھی۔ آج وہ دونوں اسی جھیل کے کنارے پر کھڑے تھے جہاں کبھی دونوں ایک دوسرے پر محبت کے پھول نچھاور کیا کرتے تھے۔ پہلے وہ جگہ ان دونوں کے پیار کا مرکز تھی لیکن آج وہ جگہ صرف جمال کی ملکیت تھی۔ ثُریا کو وہاں تک پہنچنے کے لئے جمال کے سیکرٹریوں اور منیجروں سے اجازت لینی پڑی۔ وہ جمال کے سامنے کھڑی تھی۔

ثُریا کو دیکھ کر جمال کا سارا وجود تڑپ اٹھا۔ اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون تھم گیا۔ اس کے جسم کے تمام بال تن کر کھڑے ہوگئے۔ وہ سراپا ایک جہنم بن گیا۔ شعلے لپکنے لگے۔

"تم۔ ! " نفرت سے بھرپور آواز گرجی۔

"میں۔ ہاں میں۔ میں تم سے ملنے آگئی ہوں۔ جمال۔ ماضی کی محبت کے ناطے میں تم سے درخواست کرنے آئی ہوں۔ " ثُریا نے ابھی اپنی بات مکمل بھی نہیں کی کہ جمال چنگاڑ اُٹھا۔

خاموش۔ نیچ عورت۔ مجھے ماضی کے ان دریچوں میں سے جھانکنے کی دعوت مت دے۔ جہاں ہر سو تمہاری مکاری خود غرض اور نفرت کے نظارے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ مت سوچ کہ تو کبھی میری محبت کی دیوی تھی۔ نہیں کبھی نہیں۔ تم اتنی گری ہوئی عورت ہو کہ میرے لئے یہ سوچنا کہ تمہارے ساتھ میرا ماضی وابستہ تھا بھی میرے لئے شرم کی بات ہے۔ جس ماضی کی بات تم کر رہی ہو وہ ایک بے معنی اور بے مقصد خواب تھا۔ اس بُرے خواب کے بارے میں مجھ سے بات کرنے کی جراءت مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ آج تم کو کیا چاہئیے۔ میرے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاس کیا مانگنے آئی ہو۔ بولو ذلیل عورت۔؟" جمال چیخ رہا تھا۔ ثُریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے جمال کی باتیں سُن رہی تھی۔

"ہاں میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم میرے پاس کیوں آئی ہو۔ تم میرے پاس محبت کا ایک ڈرامہ رچانے آئی ہو۔ تم خوش ہو کہ تمہارا بوڑھا شوہر سلام میرے ہاتھوں مرگیا۔ اگر میں اسے قتل نہیں کرتا تو تم اس کو مار دیتی کیوں کہ تم اُس سے تنگ آچکی تھی یا ممکن ہے کہ تم کسی دوسرے رئیس آدمی کی جائیداد پر نظر ڈالی ہوگی اب تم نے سُنا ہوگا کہ جمال کے پاس بہت دولت ہے۔ بہت پیسہ ہے۔ اسی لئے میرے فائیو اسٹار ہوٹل میں چلی آئی۔ آج مجھے ماضی کی یاد دلا رہی ہو تاکہ میں پھسل جاؤں۔ بند کرو یہ بکواس۔ ماضی کی محبت۔ تم کیا جانو محبت کیا ہے۔ تم ایک طوائف ہو۔ ایک ویشا ہو۔ جو اپنے جسم کو بازار میں لاکر گاہک ڈھونڈتی ہے جسکے پاس تمہیں اپنے جسم کے زیادہ دام ملے اُس کے حوالے اپنا جسم کرتی ہو میں حیران ہوں کہ اپنا باسی جسم آج میرے پاس بیچنے کے لئے کیسے آگئی۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ میں عورت کے جسم کا بھوکا نہیں ہوں۔ تم غلط جگہ پر آگئی ہو۔" جمال کے مُنہ سے زہریلی باتیں نکل رہی تھیں۔ جمال آج پہلی بار پھٹ چکا تھا۔ جمال آج پہلی بار اس سے نفرت کا اظہار باتوں کے ذریعہ کر رہا تھا۔ جس کا لاوا اس کے سارے وجود میں اُبل رہا تھا۔

"جمال۔ مجھے صرف ایک بار کہنے کا موقعہ دو۔" ثُریا نے جمال سے کہا۔

"پھٹ جائیں گے میری سماعت کے پردے اگر تمہاری عیارانہ اور مکارانہ آواز نے ان کو چھولیا۔ تم کوئی بات مت کرو یہی تمہارے لئے اچھا ہے۔ میں حیران ہورہا ہوں کہ تم میں یہ جراءت کہاں سے لائی ہو تم میرے پاس کھڑی ہوسکی تم اگر زندہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے جان بوجھ کر تمہیں نہیں مارا میں تمہارے بارے میں سوچتا بھی نہیں ہوں۔ مجھے صرف یہ یاد ہے کہ تم نے ایک دن مجھے یہ بات سکھائی کہ دنیا میں دولت کی اہمیت زیادہ ہے۔ یہ دیکھ کر دولت آج میری کنیز ہے۔ آج جمال کے اشارے پر ہزاروں لوگ ناچتے ہیں۔ آج میری فیکٹریوں۔ میرے کارخانوں۔ میرے گوداموں۔ میرے دفتروں میں نوکریاں حاصل کرنے کے لئے تم سے ہزار درجہ اچھی لڑکیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ ثُریا تم اگر نوکری حاصل کرنے آئی ہو تو میرے کسی دفتر کے منیجر سے ملو۔ یہاں میرے پاس لوگوں سے ملنے کے لئے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وقت نہیں ہے۔ میرے ایک منٹ ضائع ہونے کا مطلب ہے ایک لاکھ روپیہ ضائع ہونا ثُریا۔ تم میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔ جاؤ یہاں سے۔" یہ سب کہہ کر جمال نے نفرت سے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

جمال تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو وہ کچھ بھی نہیں۔ میں اس سے زیادہ ذلالت اور مذمت کی مستحق ہوں۔ میں عورت نہیں بلکہ عورت کے نام پر ایک دھبّہ ہوں۔ میں انکار نہیں کر سکتی کہ میں نے صرف لالچ میں آکر تمہاری معصوم محبت کا خون کیا۔ میں اس بات کو کبھی جھٹلا نہیں سکتی کہ تمہاری ماں کی موت کی وجہ میں ہوں۔ وہ ذلیل عورت جس نے تمہاری ہنستی کھیلتی زندگی میں آگ لگادی۔ میں مانتی ہوں جمال کہ میں ویشیا ہوں۔ طوائف ہوں۔ لیکن ویشیا اور طوائف میں انسانیت ہوتی ہے وہ انسانیت میرے پاس نہیں۔ جمال مجھے کوئی ایسا نام دو جو میری نیچ اور گری ہوئی فطرت کا اصلی روپ ظاہر کر سکے جمال کچھ ایسا کر دو کہ جو اس بھنور سے نکل جاؤں جس نے مجھے آگھیرا ہے۔ تم کو بھنور میں پھنس چکی ہوں۔ تم نے میرے شوہر کو قتل کیا اور وہ مرگیا۔ لیکن میرے اندر کا وجود ہر لمحے مر رہا ہے۔ میرے ضمیر کی آواز ہر وقت میری روح کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔ جمال میں تمہارے پاس محبت حاصل کرنے نہیں آئی ہوں۔ اس محبت کے لائق نہیں۔ میں نے اپنے خود غرض ہاتھوں سے اس انمول محبت کا گلا گھونٹ دیا۔ پیار اور عشق کو زندہ درگور کر دیا۔ میں اب اس محبت کی خواہش کیسے کر سکتی ہوں۔ میں تو صرف ایک بات کہنے آئی ہوں۔ تم اگر اجازت دو میں وہ بات کہوں گی۔" ثُریا نے جمال سے کہا۔ ثُریا کا لہجہ جذبات سے بھرپور تھا۔

جمال نے ثُریا کی تمام باتیں سُن لیں۔ نہ جانے ثُریا کی باتوں میں کیا اثر تھا۔ کہ جمال خاموش ہوگیا۔ اس نے ایک نظر اوپر اُٹھا کر ثُریا کی طرف دیکھا۔ ثُریا اب بہت بدل چکی تھی۔ آج ثُریا کا دوسرا روپ بکھر چکا تھا۔ اگرچہ ثُریا نے نفیس کپڑے پہن رکھے تھے۔ لیکن اس کا شباب مرجھایا مرجھایا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اندر دھنس چکی تھیں۔ اس کے چہرے پر دکھ اور مصیبت کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

ثُریا کی باتیں سُن کر چند لمحوں کے لئے جمال کے ذہن میں عجیب لہریں اُبھرنے لگیں جمال نے ثُریا کی آنکھوں کی طرف دیکھا وہاں آنسوؤں کے سہمے سہمے قطرے منجمد تھے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ہاں جمال تم مجھے آج بات کرنے دو۔ آج کہنے دو۔ پھر میں کبھی تم سے ایسی درخواست نہیں کرونگی۔" ثُریا نے کہا۔

جمال خاموش رہا۔ جمال کی خاموشی کا مطلب تھا کہ ثُریا کو کہنے کی اجازت ہے۔

"جمال میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم بھول جاؤ مجھے۔!" ثُریا نے کہا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم۔؟ کون کہتا ہے کہ میں تم کو ابھی یاد کر رہا ہوں۔؟ مجھے تم سے نفرت ہے ثُریا نفرت۔" جمال ثُریا کی بات سُن کر دھاڑا۔

"جمال۔ یہ جو تمہاری نفرت ہے دراصل اس کے اندر محبت چھپی ہے۔ تم اب بھی ثریا سے محبت کرتے ہو۔ تم نے مجھے نہیں بلکہ میرے شوہر سلام کو قتل کیا۔ اس قتل میں بھی محبت کا راز مضمر تھا۔ تم مجھے تباہ کرنا چاہتے ہو۔ مجھے بے عزت کرنا چاہتے یہ صرف اس لئے کیونکہ تم اپنے اندر چھپی محبت کو مار نہ سکے۔ تم اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہو۔ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا اس سے تمہاری انا کو چوٹ پہونچی لیکن محبت مر نہ سکی۔ تمہاری محبت پیاسی رہی اور یہ پیاس بڑھتی گئی۔ ممکن ہے میرے مل جانے سے تمہاری محبت کی پیاس اس انتہا کو نہیں پہونچتی جہاں یہ آج پہونچ چکی ہے جمال۔ یہ سب کہہ کر میں اپنے آپ کو ایک اچھی عورت کے روپ میں پیش نہیں کر رہی ہوں۔ میں ایک بار نہیں بلکہ ہزار اور لاکھ بار یہی کہوں گی کہ میں انتہائی گری ہوئی غلیظ اور نیچ عورت نکلی۔ میں نے دولت سونے اور چاندی کے لالچ میں آکر تمہاری محبت بھلا دی۔ وہ معصوم ثُریا جو صرف جمال کی امانت تھی دنیا کے بازار میں بک گئی۔ کوئی مجبوری نہ تھی۔ نہ حالات کا تقاضا تھا۔ مذہب قانون سماج کی بندشیں ہمارے درمیان حائیل بھی نہ تھیں۔ میری لالچ ایک دیوار بن گئی۔ میں دولت کی چمک دمک کے سامنے پھسل گئی۔ گاڑیوں بنگلوں۔ بینک بیلنس سونے کے زیورات۔ ملازموں اور کنیزوں کا ہجوم سب نے ملکر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں محبت کی گہرائیوں سے ابھر کر سطح پر آگئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ محبت کی دنیا سے دور چلی گئی۔ میں جب جمال اور سلام کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگتی تھی تو مجھے جمال میں محبت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ مجھے سلام میں دولت جاہ جلال۔ عزت کا سرمایہ نظر آیا۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ جمال کی محبت کو اپنا کر مجھے ساری عمر فاقہ کشی کرنی ہوگی۔ جبکہ سلام کے پاس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال جیسے ہزاروں لڑکے نوکر تھے۔ وہ سلام کے پیر دباتے رہتے تھے۔ جب میں ان کو سلام کی خدمت کرتے دیکھتی تھی۔ مجھے ان میں سے ایک تم بھی نظر آتے تھے۔ میں نے ایک طرف سونے اور جواہرات کے زیوروں میں اپنی خوبصورتی کو کھلتے ہوئے دیکھا اور دوسری طرف تمہارے آنگن میں خود کو میلے کچیلے کپڑے پہنے کوئی بھاری بوجھ سر پر اُٹھائے لڑکھڑاتے ہوئے دیکھ لیا۔ جمال میں بہک گئی۔ میں نے اسی وقت محبت کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے یہ نہیں سمجھا کہ محبت کو قربان نہیں کیا جاسکتا بلکہ محبت کے آگے قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ دولت۔ سونا۔ چاندی۔ محل۔ حویلیاں۔ ایرکنڈیشن گاڑیاں۔ موٹریں دولت کی شان وغیرہ سب نقلی ہیں۔ محبت کے بغیر آدمی ان میں قید ہوکر پاگلوں کی طرح سر ٹکرانے لگتا ہے۔ جب محبت کی گرمی نہ ہوتی تو عظیم الشان محل دلکش عمارتیں سرد قبروں میں تبدیلی ہوجاتی ہیں۔ سونے اور جواہرات کے خوبصورت زیورات کانٹوں کے بھاری ہار بن جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا جمال۔ میں نے خود اپنے خود غرض فیصلے کی سزا بھگتی۔ جمال میں ہار گئی۔ تمہیں دھوکہ دیتے وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ دھوکہ میں نے خود اپنے آپ کو ہی دے رہی ہوں۔ جمال تم یقین کرلو کہ میرے دل میں چھپی جمال کی محبت جمال کو دھوکہ دینے کے باوجود زندہ تھی پھر میرے درمیان اور اس محبت کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ یہ جو تم آج سب کچھ انتقام کی آگ میں جل کر رہے ہو یہ تو اس انتقام کے سامنے کچھ بھی نہیں جو انتقام تمہاری محبت میرے ہی وجود کے اندر رہ کر مجھ سے لے رہی تھی تم نے ایک تیز کلہاڑی سے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے لیکن میری روح کے ایسے ٹکڑے کئی بار ہوچکے ہیں۔ میرے وجود کے اندر رہ کر تمہاری مقدس محبت چیخ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔ ہر لمحے اور ہر پل مجھے گری ہوئی عورت ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ جب بوڑھا سلام میرے جسم کو نوچ رہا تھا۔ تو تمہاری محبت میرے اندر چیخ چیخ کر مجھے ویشیا اور طوائف کا نام دے رہی تھی۔ وہ دولت۔ وہ عزت اور وہ حشمت جس کے لئے میں نے تمہیں دھوکہ دیا مجھ پر ہنس رہی تھی۔ میرا مذاق اڑا رہی تھی۔ سلام جس نے اپنی دولت کے بل بوتے پر مجھے خرید لیا تھا۔ مجھے ایک نوکرانی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ میرے جسم کو اپنے عیش و عشرت کا سامان سمجھ کر اس نے مجھے اپنے محل میں پناہ دے رکھی تھی۔ جمال میں بالکل ہار گئی۔ ایک ایسا مقام بھی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آگیا جب میں نے سب کچھ چھوڑ کر صرف تمہیں اپنانے کی خواہش کی ہر بار مجھے یہی خواہش ہوتی تھی میں تمہارا نام پکار کر تمہیں گلیوں۔ کوچوں۔ پہاڑوں۔ جھیلوں اور ویرانوں میں ڈھونڈ لوں۔ میری آنکھیں چاروں طرف ڈھونڈتی رہتی تھیں۔ تمہارا دیدار کرنے کے لئے میں ترس رہی تھی۔ تمہاری یاد ایک پل بھی مجھ سے جدا نہ رہی۔ میرے پاس تمہاری محبت کی صرف ایک نشانی تھی تمہارا لاکٹ وہی لاکٹ اپنے سینے سے لگائے جی رہی تھی۔ یقین کرلو جمال جب تم نے وہ لاکٹ چھین لیا تو میرے وجود کے اندر چھپی ہوئی محبت کئی سالوں بعد مسکرائی۔ کئی سالوں کے بعد اسے خوشی ملی کہ محبت کی نشانی نے تمہیں میرے قریب لائی۔ تم اتنے قریب آگئے کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا جمال جو باتیں تم اپنی زبان سے کہہ رہے ہو یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میری محبت نے اس سے زیادہ زہریلی باتیں کہی ہیں۔ تمہاری زہریلی باتیں تو میری ویران زندگی میں پھولوں کی مہک بکھیر رہی ہیں تم سے دور رہ کر میرے وجود کی ہر بات مجھے پاگل کیا کرتی تھی۔ جمال آج میں خوش ہوں کہ مجھے تم سے بات کرنے کی اجازت تم نے دے دی۔ میں خوش ہوں کہ مجھے تمہارے قریب چند لمحوں کے لئے رہنے کا موقعہ ملا۔ مجھے یہ موقع ملا کہ تم سے کہوں کہ لالچ کی گہرائیوں میں گر کر کیسے تڑپ رہی تھی جمال میں تم سے کہنے آئی ہوں جو سزا تم مجھے دے رہے ہو یہ میرے لئے فخر کی بات ہے۔ کہ تم نے مجھے یاد رکھا۔ ممکن ہے سزا بھگت کر میرا بوجھ ہلکا ہوجائے۔" جمال کی خاموشی سے ثُریا کی باتیں سن رہا تھا۔

" جمال میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کسی دن اس طرح زندگی میں مجھے تمہارے سامنے باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ تم کبھی اس طرح خاموشی سے میری کہانی سنوگے۔ یہ بھی کتنا عجیب اتفاق ہے کہ آج میں تم کو ایک ایسی جگہ پر اپنی داستان سُنا رہی ہوں جو جگہ کبھی ہماری معصوم محبت کی پناہ گاہ تھی۔ جمال اب ہماری محبت کے مرکز کے تم مالک ہو۔ تم نے جھیل کا کنارہ خرید لیا جس پر اب مجھے کوئی حق نہیں میں تو کب کی لالچ کی آگ میں جل کر ختم ہوچکی ہوں۔ مجھے تم کو یہ باتیں سُنا کر چند لمحوں کے لئے سکون مل گیا۔" ثُریا یہ کہہ کر خاموش ہوگئی اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔

"ثُریا۔!" جمال کے لب ہلے۔

" جمال میں اس لئے رو نہیں رہی کہ تمہاری ہمدردی حاصل کرسکوں تمہارے جذبات

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا فائدہ اُٹھاؤں۔ نہیں ۔ جمال ۔نہیں۔ یقین کرلو۔ میں تمہیں ایک بار دھوکہ دے کر بار بار دھوکہ نہیں دے سکتی مجھے ہر بار یہ احساس ستاتا رہا کہ میں نے تمہاری معصومیت کو دھوکا دیا۔ تمہاری بے پناہ محبت کے صلے میں تمہیں بربادی دے دی اور کچھ نہ دے سکی۔ نہ اس وقت میرے پاس کچھ ہے کہ میں تم کو دے سکوں میری محبت تو تمہارے قابل نہیں ہے۔ اپنی جوانی اور خوبصورتی کو پہلے ہی نیلام کرچکی ہوں۔ اب میرے جسم میں کوئی تازگی نہیں ہے۔ میں خاک میں گری ہوئی کسی مرجھائے پھول کی سوکھی پتی ہوں۔ دولت حاصل کرکے بھی مجھے یہ احساس رہا کہ میں ایک بھکارن ہوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں آج بھی جمال تم سے مانگنے آئی ہوں۔ جمال میں تمہارے سامنے دامن پھیلانے آئی ہوں۔" ثریا نے کہا۔

"کیا چاہئیے تمہیں ثُریا۔" جمال نے پوچھا۔

"موت۔" ثُریا نے کہا۔

"ثُریا میرے پاس آکر موت کی خواہش کرنے کا مطلب ہے کہ تم مجھے یہ احساس دلانا چاہتی ہو کہ میں ایک قاتل ہوں۔ میں ایک مجرم ہوں۔ لیکن تم نے مجھے قاتل بنایا۔ ایک مجرم بنایا۔ ایک مجرم بنا دیا۔ تمہارے دھوکے میں آکر میری معصوم ہنستی کھیلتی زندگی میں آگ لگ گئی۔ تم نے مجھے زندگی کی گھٹاؤں اور تلخ حقیقتوں سے واقف کیا۔ تم نے مجھے ٹھکرا کر جس سلام کا دامن اپنی محبت کے پھولوں سے بھرا تھا وہ ایک ایسا قاتل تھا جس نے اپنے چہرے پر شرافت کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ وہ ایک خطرناک مجرم تھا۔ لیکن دولت کے سہارے وہ سماج میں ایک معزز ہستی کہلایا جاتا تھا ایک ایسا عزت دار آدمی جس کو ثُریا نے اپنا وہ شباب اور اپنی وہ محبت حوالے کی جس پر صرف میرا حق تھا۔ تم نے اس عزت دار آدمی کو اپنا بناکر مجھے اس بات کا احساس دلایا کہ دنیا میں معصومیت کی نہیں بلکہ طاقت کی ضرورت ہے۔ ثُریا۔ میں نے تمہاری بات سمجھ لی۔ وقت کے ساتھ ساتھ تمہاری یہ بات سچ نکلی۔ آج دنیا میں واقعی وہی زندہ رہ سکتا ہے جس کے پاس زندہ رہنے کی طاقت ہے۔ جس کے پاس دولت ہے۔ وہی ہر شے کو خرید سکتا ہے۔ دولت مند آدمی کے قدموں پر حسن جوانی محبت عزت عصمت سب بھینٹ کئے جاتے ہیں۔ اسے شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی دیکھو ثُریا۔ میں ایک مجرم ہوں۔ ایک گنہگار

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آدمی ۔ لیکن میں نے بھی وہی طریقہ اپنا کر اور اپنے چہرے پر شرافت کا نقاب پہنا ۔ آج میں دولت اور طاقت کے سہارے ایک ایسے مقام پر پہونچا ہوں کہ میرے اشارے پر لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہیں ۔ میری اطاعت کرتے ہیں ۔ میری پرستش کرتے ہیں ۔ مجھے ان لوگوں سے نفرت ہے لیکن جب کسی ایسے ہی عزّت دار آدمی کا سر میرے پاؤں پر گرتا ہے تو میرے چہرے پر فتح کی مسکراہٹ بکھر جاتی ہے میں نے سلام جیسے ہزاروں لوگوں کو دیکھ لیا ۔ جنہوں نے شرافت کے پردے کے پیچھے اپنا گھناؤنا اور بدصورت چہرہ چھپا کر رکھا ہے ۔ وہ لوگ سماج میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ چلتے ہیں ۔ لیکن ان کے کالے کرتوتوں نے انہیں اتنا بزدل بنایا ہے کہ میری انگلی کے ایک اشارے پر وہ حواس باختہ ہوجاتے ہیں ۔

ثُریا آج میری لڑائی صرف تم سے نہیں بلکہ آج میری لڑائی ان طاقتوں کے خلاف بھی ہے جنہوں نے ہمارے سماج کو یرغمال بنا رکھا ہے ۔ میں ان کو یرغمال بنا رہا ہوں اپنی طاقت کے سہارے دن بدن میری طاقت میں اضافہ ہورہا ہے ۔ میں نے تمہارے سامنے تمہارے شوہر کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ۔ یہ انتقام صرف اس لئے نہیں تھا کہ اس نہ تمہیں مجھ سے چھین لیا بلکہ اس لئے بھی تھا کہ وہ میری ماں کا قاتل تھا ۔ میں نے اس وقت اس کو سزا دلوانے کی دھائی دی تھی کسی نے میری آواز نہ سُنی ۔ قانون اس جیسے معزز آدمی کو سزا دینے کی جراءت نہیں کرسکا ۔ لیکن سات سال بعد میرا قانون حرکت میں آیا ۔ اسے اس کے جرموں اور گناہوں کی سزا ملی ۔ سلام جیسے ہزاروں لوگ اس کے قتل کی خبر سنکر تھرا اٹھے ان سب کو معلوم ہے کہ قتل میں نے کروایا لیکن کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا ۔ انہوں نے میری طرح شرافت کا لبادہ اوڑھا ہے اور وہ مجھ سے ٹکر نہیں لے سکتے میں ان کی کمزوریوں سے واقف ہوں ۔

"ثُریا تم میرے پاس موت مانگنے آئی ہو ۔ اس لئے کیونکہ میں ایک ایسا مجرم ہوں جسے کسی کو مارتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہورہی ہے ۔ میں تم کو بھی مار سکتا تھا لیکن نہیں ۔ میں اتنا گرا ہوا نہیں ہوں کہ تم کو ماردوں ۔ تم ایک کمزور بے سہارا ہستی ہو ۔ جمال کی سانس کی آواز پر تم کہیں سے کہیں پہنچ سکتے ہو ۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا ۔" تمہاری سزا تمہارا احساس ہے ۔ میں ہر موڑ پر تمہیں احساس دلاتا رہوں گا ۔" جمال نے ثُریا کو ایک مکمل جواب دیا ۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"لیکن جمال میں کیا کروں۔؟" ثُریا نے کہا۔

"ثُریا۔ تم کو مجھ سے آج کسی مشورہ کی امید نہیں رکھنی چاہئیے۔ تمہارا اور میرا رشتہ ایک ایسے موڑ پر ہے۔ جہاں یہ ناممکن ہے کہ میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوسکے۔ہم دونوں ایک ایسے خطرناک کھیل کے خاموش تماشائی ہیں۔ جس کی کہانی ہم دونوں نے بھی مل کر لکھی تھی۔ تم صر .دیکھتی رہو کہ اس کہانی کا انجام کیا ہوگا۔" جمال نے کہا۔

"جمال تم جرم کی دنیا میں کب تک انتقام کا راگ الاپتے رہوگے۔ کب تک قتل۔ خون۔ اسمگلنگ۔ اور بلیک میلنگ کرتے رہوگے۔ کب تک مجھے میرے گناہوں کا احساس دلاتے رہوگے۔ میں خود اپنی مرضی سے تمہارے ہاتھوں مرنا چاہتی ہوں۔ ممکن ہے میرا خون تمہارے انتقام کے شعلوں کو بجھا سکے گا۔ میری روح کو بھی سکون ملے گا۔ اور تمہیں چین آئے گا۔ آؤ۔ جمال۔ مجھے قتل کر ڈالو خون کردو میرا۔ جس طرح تم نے سلام کے جسم کے ٹکڑے کئے تھے۔ اسی طرح مجھے بھی مار ڈالو۔ میں آزاد ہوجاؤنگی اس بھنور سے جس میں میرا وجود پھنس چکا ہے اور تمہیں بھی اس تپش اور جلن سے چھٹکارا مل جائے گا جس میں تم جل رہے ہو۔" ثُریا نے جمال سے کہا۔

"ثُریا خدا کے لئے چلی جاؤ۔ یہاں سے۔ بس اب میں جو ہوں وہی رہنا چاہتا ہوں۔ اب بھنور میری منزل ہے۔" جمال نے کہا۔

"لوٹ آؤ۔ جمال۔ خدا کے لئے تم پھر ایک بار وہی معصوم جمال بن جاؤ جس سے لوگ پیار کرتے تھے۔ آج کا جمال اس لئے طاقتور ہے کیونکہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ڈر پیدا کیا ہے۔ جمال تم کب تک لوگوں کو ڈراتے پھروگے۔ تمہاری مجرم میں ہوں تم کب تک دوسروں کو میرے جرم کی سزا دیتے رہوگے۔ آج ایک بار مجھے سزا دے کر اپنے جرموں کو بھول جاؤ۔ ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرلو وہی سیدھے سادھے جمال بن جاؤ جو بات کرتے وقت شرم سے سرخ ہوجاتا تھا۔" ثُریا نے جمال سے کہا۔

"ثُریا میرے جرم تو دنیا میں چھپے ہوئے ہیں۔ تم جانتی ہو اس لئے مجھے مجرم کہتی ہو۔ وہ لوگ جانتے ہیں جو اپنے جرموں کی وجہ سے میرے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔ باقی دوسرے عام

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لوگ تو مجھے ذی عزت آدمی سمجھتے ہیں ۔ ایک معزز اور قابل احترام شہری میری تعریفیں کی جاتی ہیں ۔ مجھے عظیم اور شریف آدمی کا لقب دیا جارہا ہے ۔" جمال نے ثُریا سے کہا ۔

"لیکن کیا تم خود کو اس کے قابل سمجھتے ہو ۔ کیا تمہارا ضمیر تمہیں ان جرموں پر ملامت نہیں کررہا ہے جنکی فہرست تمہیں معلوم ہے ۔ اگر کوئی معصومیت میں انجانے میں ۔ یا ڈر کی وجہ سے تمہیں عظیم کہتا ہے اس سے عظیم تم نہیں بن سکتے ۔ تم خود اپنے آپکو سزا دے رہے ہو جمال ۔ آؤ ۔ آج مجھے سزا دے کر سب کچھ بھول جاؤ ۔" ثُریا نے دوبارہ اپنی بات دہرائی ۔

"ثُریا ۔ میں جو آج کچھ کر رہا ہوں آج کی دنیا میں زندہ رہنے کے لئے وہی سب کچھ کرنا پڑتا ہے ۔ لیکن تم بھول رہی ہو کہ تم نے خود ایک دفعہ میری معصومیت کو میری بے وقوفی سمجھ کر ایک ایسے ہی عظیم اور شریف آدمی کے پیروں پر میرے پیار کی قربانی دی تھی ۔ آج جرم شان ہے ۔ ثُریا ۔" جمال نے کہا ۔

جمال کو دیکھو میری خودغرضی کا انجام کیا ہوا ۔ زندگی ایک طوق خار دار کی طرح میرے گلے کو چھلنی کر رہی ہے ۔ میں موت کی التجا کرتی ہوں اور مجھے موت بھی نہیں ملتی ہے ۔ اس عظیم اور شریف آدمی کو دیکھو جس کی ظاہری چمک دمک نے مجھے متاثر کیا تھا اس کو جیسے ہی ایک شریف آدمی نے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کردیا کہ ساری دنیا دہل گئی ۔ یہ چمک دمک سب مصنوعی ہوتی ہے ۔ مجرموں کی دنیا ایک گھناؤنی دنیا ہے اگر اس دنیا سے فرار ہوکر کوئی واپس اپنی سیدھی سادی زندگی کی طرف لوٹ آئے تو یہ اس کی سب سے بڑی جیت ہے ۔ ثریا نے جمال سے کہا ۔

"نہیں میں اس دنیا میں واپس جانا نہیں جانا چاہتا جہاں زبان پر تالے لگاکر ہر ظلم کو برداشت کرنا پڑتا ہے ۔ لوگ تم سے تمہارا حق چھین لیں ۔ تمہیں ڈاکوؤں کی طرح لوٹ لیں ۔ تمہاری ہنستی کھیلتی زندگی میں زہر گھول دیں ۔ تمہاری آرزوں ۔ ارمانوں اور تمناؤں کو اپنی طاقت کے پیروں تلے روندھ دیں ۔ اور تم آہ بھی نہ کرسکو ایمان اور ضمیر کے محور میں مقید ہوکر تمہیں خالی خالی نظروں سے اپنے گھر لوٹتے ہوئے دیکھا ہوگا ۔ نہیں ۔ میں جہاں ہوں وہیں اچھا لگ رہا ہوں ۔ دنیا میں میرے جیسے ہزاروں لوگ شرافت کا لیبل اپنے ماتھے پر چسپاں کرکے عظمت کی بلندیوں پر پرواز کر رہے ہیں ۔ دنیا میں انکی ہی بات چلتی ہے ۔ تم مجھے اس دنیا سے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باہر نکلنے کا مشورہ نہ دو تم اپنے لئے کوئی سیدھا سادھا راستہ ڈھونڈنا چاہتی ہو تو جاؤ تم آزاد ہو۔
لیکن میں ہر پل تمہیں تمہارے گناہوں کا احساس دلاتا رہوں گا۔"

جمال اتنا کہہ کر فوراً اُٹھا اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

ثُریا اکیلی کھڑی جمال کو جاتے ہوئے گھورتی رہی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواں باب

"نہیں اب ہم زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتے ہیں۔ اب جمال تمام حدوں کو پار کرنے لگا ہے۔ اگر جمال اسی طرح ہمیں ڈراتا رہا، دھمکاتا رہا۔ ہمیں بلیک میل کرتا رہا تو ایک وقت آئے گا جب ہم سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے نظر آئیں گے۔" طاروقی اپنے شاندار ڈرائینگ روم میں اپنے گرد جمع چند ذی عزت لوگوں سے کہہ رہا تھا۔

طاروقی کے دیوان خانے میں، آج بہت ساری اہم شخصیتیں ایک ساتھ جمع ہوئی تھیں۔ شہر کے چند بڑے بڑے سرمایہ دار اور دوسرے معزز لوگ وہاں نظر آرہے تھے۔ ان میں خواجہ بلال صاحب جو سونے کا ایک بہت بڑا بیوپاری تھا احمد خان جو کہ اسٹیل اور ٹین کا کاروبار کروڑوں کی مالیت پر کررہا تھا۔ عزیز احمد جس کے کئی اپنے سنیما گھر تھے۔ ڈاکٹر جیلانی جو شہر کا مانا ہوا ڈاکٹر تھا۔ ایس۔ پی رحمان سیکریٹری امکارناتھ۔ سونیا پرکاش۔ ایگزیکٹیو۔ انجنیر وقار احمد۔ منسٹر جوہر احمد اور دوسرے معزز لوگ شامل تھے۔ آج ہر ایک کا چہرہ پریشان تھا۔ ہر کسی کی زبان پر ایک ہی شکایت تھی۔

"جمال حد سے زیادہ بڑھتا جارہا ہے میں کہتا ہوں کہ جمال کے گرد اپنا حصار تنگ کرلو۔ اس کے پر کاٹ ڈالو تاکہ دہاڑ نہ سکے ورنہ وہ آسمان پر چھا کر ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کرے گا۔ ہم سب کو تباہ کردے گا۔ اس کے مقاصد بہت خطرناک ہیں۔ وہ ہمارا قافیہ تنگ کرکے خوش ہوتا ہے۔" طاروقی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

"مولانا جمال ویش کے لئے خطرہ ہے وہ ہم سب کو چھیڑ کر خود اپنے لئے زہر کا کنواں کھود رہا ہے۔ جس میں وہ ایک دن گرجائے گا۔ وہ ہم کو ہی نہیں بلکہ سارے ملک کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے کیفر کردار تک پہنچانا ہر محبِ وطن کا فرض ہے۔" یہ بات شہر کے جانے پہچانے وزیر جناب جوہر احمد نے کی۔

"چھوڑیئے منسٹر صاحب۔ آپ اپنی بولی بول رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جمال دن بدن ایک پُرجلال طاقت کے روپ میں اُبھر رہا ہے۔ اس نے آپ جیسے دوسرے منسٹروں کو خرید لیا ہے۔ آپ کی گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدے دار اور اس کے آگے غلاموں کی طرح

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھڑے ہوتے ہیں ۔ میں یہاں تک کہوں گا کہ خود آپ کی فنسٹری بھی اس کے پنجوں میں ہے اور آپ ابھی تک کنواں کھودنے اور جمال کے انجام کی باتیں کر رہے ہیں ۔" سونے کے بیوپاری خواجہ بلال صاحب نے کہا۔

" بلال صاحب میں جانتا ہوں کہ آپ جمال سے اس لئے زیادہ ڈرتے ہیں ۔ کیونکہ اسنے آپ کی تمام چالوں کا راز جان لیا ہے ۔ اس کو پتہ چل گیا ہے کہ نقلی سونے کے پونڈ کہاں بنتے ہیں ۔ سونے میں آپ کس طرح اور کہاں ملاوٹ کر رہے ہیں ۔ سرحد پار سے لایا ہوا سونا آپ کس سے لیتے ہیں ۔ جمال نے آپ کے راز جان کر آپ سے آج تک لاکھوں روپیے بٹور لیے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اسی طرح اس بلیک میلر کے اشاروں پر ناچتے رہیں ۔ ہم کو جمال سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا ۔" شہر کے ایس ۔ پی رحمان نے زور دار لہجے میں بلال صاحب کو سمجھایا۔

" چھوڑو ۔ پولیس کی زبان مت بولو ۔ ہم نے دیکھ لیا اب کہ تمہاری پولیس کیا ہے اور تم کیا ہو ۔ جمال خود آزاد ہے اور اس نے ہم سب کو قیدی بنا رکھا ہے ۔ اس نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہم سب کے ارد گرد خوف اور ڈر کی دیوار بنائی ہے ۔ تم اور تمہاری پولیس نے کیا کیا ہے ۔ جمال کا ۔ تم خود جانتے ہو کہ جمال ایک اسمگلر ہے ۔ ایک خونی ہے ۔ بدمعاش ہے چار سو بیس ہے ۔ پھر کیا تم اس عہدے کو اس کے خلاف استعمال کر سکے ۔ آج تک تمہاری پولیس نے اس کا بال بیکا نہیں کیا ہے ۔ پولیس ریکارڈ میں اس کا نام بھی نہیں ہے تم سب جمال سے ڈرتے ہو ۔ تمہاری پولیس فورس جمال کے پنجوں میں اس طرح دبی ہوئی ہے جس طرح ایک عقاب کے پنجوں میں پھنسی ہوئی چڑیا ۔" احمد خان نے اپنا سارا زہر پولیس کے خلاف اُگل دیا۔

بلال صاحب اور خان صاحب کا غصہ دیکھ کر شہر کے ایک مکار اور بے ایمان سیکریٹری امکار ناتھ نے بولنا شروع کیا۔

"بلال صاحب ۔ خان صاحب اور دوسرے صاحبان ۔ میں فنسٹر صاحب اور ایس پی صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا نہیں چاہتا ہوں کیوں کہ اس وقت ہم کسی سرکاری میٹنگ میں موجود نہیں بلکہ ہم اس وقت ایک نجی محفل میں موجود ہیں ۔ ہم سب کا مشن ایک ہے ۔ ہم

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک دوسرے سے بالکل اچھی طرح واقف ہیں۔ سماج میں ہم سب کا ایک بلند مقام ہے۔ ممکن ہے کہ اس مقام کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں مختلف راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ جن راستوں کو قانون کی نظر میں جائز نہیں سمجھا جاتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم غلطی پر ہیں۔ ہم سب کو اپنی اپنی شخصیت اور سماج میں اپنا مقام قائم رکھنے کے لئے دولت کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرکے۔ ایک دوسرے کا راز اپنے سینوں میں دفن کرکے ہم بڑی آسانی اور راز داری کے ساتھ کافی دولت حاصل کررہے ہیں۔ ہم یہاں اس نجی محفل میں ایک ہیں۔ ہماری دوستی اس درجہ تک پہونچی ہے۔ کہ نہ مذہب کا کوئی سوال ہے۔ نہ عہدے کی باتیں۔ ہم کو صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کے راستے ڈھونڈنے ہیں۔ تاکہ ہم میں سے کوئی مصیبت میں پھنس نہ جائے۔ ہم سماج میں چند لمحوں کے لئے اپنی صورت تبدیل کرتے ہیں۔ لیکن اصل میں ہم سب ایک ہیں۔ ہماری صورتیں ایک جیسی ہیں۔ ہم فوراً ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

احمد خان کی طرف دیکھ لیجئے۔ یہاں اس کے ٹین بنانے کا ایک کارخانہ بھی نہیں ہے لیکن اس نے ہماری مدد سے تقریباً پچاس ٹین کے کارخانوں کی رجسٹریشن حاصل کی ہے۔ اس کو یہاں پر ہم ایک رجسٹریشن پر ہزاروں ٹن ٹین دینے کی منظوری کرتے ہیں۔ یہ منظوری لے کر اس کو کلکتہ سے ٹین کا کوٹا ملتا ہے۔ بینک کا چیرمین کروڑوں روپیہ کی ایل سی کھول کر اس کو اس ٹین کو بمبئی پورٹ پر حاصل کرنے کا حق دار بناتا ہے۔ بمبئی پورٹ پر مال آنے سے پہلے ہی احمد خان ہزاروں ٹن کا کوٹا حاصل کرنے کے اجازت نامے کو بیچ دیتا ہے۔ احمد خان کو صرف کاغذات ادھر ادھر کرنے میں لاکھوں روپیہ کا منافع ملتا ہے اس پر طُرہ یہ ہے کہ احمد خان بڑی چالاکی سے جعلی ٹرانسپورٹ کی رسیدیں حاصل کرکے یہ ثابت کرتا ہے کہ ٹین کے ہزاروں ٹن بمبئی سے سرینگر پہونچے۔ پھر اسے ٹرانسپورٹ سبسڈی ملتی ہے۔ نہ کارخانے ہیں۔ نہ کہیں احمد خان کی تجوری سے پیسہ نکلتا ہے۔ نہ کہیں مال ہے۔ مفت میں لاکھوں روپیوں کا منافع لیکن یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہوتا ہے جبکہ ہم سب اپنی اپنی جگہوں اور عہدوں کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں۔ اسے بھی فائدہ اور ہم کو بھی فائدہ۔ جب جمال بیچ میں ٹپک کر احمد خان کا راز فاش کرنے کی دھمکی دیتا تو یہ دھمکی صرف اس کے خلاف نہیں بلکہ ہم سب

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے خلاف ہے۔

آج خواجہ صاحب کی بارگاہ میں بلال صاحب موجود ہیں۔ عزیز صاحب موجود ہیں۔ سونیا پرکاش۔ ڈاکٹر جیلانی، وقار، جوہر احمد، رحمان صاحب وغیرہ موجود ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ جب ہم لوگوں کو سیکریٹریٹ میں بیٹھ کر کسی ایسی نئی اسکیم کا علم ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ لاکھوں کی دولت حاصل کی جاسکتی ہے تو ہم فوراً اپنے کسی آدمی کو اطلاع دیتے ہیں۔ جب حکومت ٹیکس چھاپے ڈالنے کا فیصلہ کرتی ہے تو ہم کو چند سیکنڈوں میں اس کی خبر ملتی ہے۔ ہم محفوظ رہتے ہیں۔ وقار جیسا قابل ایگزیکٹو انجنیر جانتا ہے کہ اپنے آدمیوں کے بل کس طرح پاس کرنے ہوتے ہیں۔ اگر ہم میں سے کسی کو اپنے عہدے سے تبدیل کرنے کی بات چلتی ہے تو منسٹر جوہر صاحب ایک اشارے سے اس تبدیلی کو منسوخ کراتے ہیں۔ جب منسٹر جوہر صاحب کو عوام کے ووٹوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو خواجہ صاحب اپنی پر جوش تقریروں کی مدد سے جوہر صاحب کو الیکشن میں کامیاب کراتے ہیں۔ اس طرح ہم سب ایک طاقت بن چکے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ ہم میں سے اگر ایک پریشان ہے تو سمجھ لیجئے ہم سب پریشان ہیں۔ آج ہم سب اس لئے یہاں جمع ہوئے ہیں کیونکہ ہم محسوس کررہے ہیں کہ جمال ہم سب کے لئے خطرہ بن رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ خود کو طاقتور بناکر ہم سب کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچوانا چاہتا ہے۔ اس نے ڈاکٹر جیلانی، سونیا پرکاش بلال صاحب بلکہ خواجہ طاروقی کو بھی باضابطہ دھمکیاں دی ہیں۔ وہ ہمارے بہت سارے دوستوں کو بلیک میل کررہا ہے۔ اس طرح اس نے ہم سب کو معمولی ہستیاں سمجھ کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا شروع کیا ہے۔ جمال کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کے پیش نظر ہم سب بہت جلد بھیک مانگتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس لئے ہمیں اب خاموش تماشائیوں کی طرح جمال کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھنا نہیں چاہئیے خواجہ طاروقی نے سچ کہا کہ ہمیں ایک دوسرے پر تہمت لگانے کے بدلے جمال کے پر کاٹنے چاہیئے۔ ہمیں بہت ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ ہمیں شیر کو زخمی نہیں کرنا ہے بلکہ اسے مارنا ہے۔ تب ہی ہم سب آرام سے رہ سکتے ہیں۔ امکار ناتھ نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ دیوان خانے میں موجود سب لوگ خاموشی سے امکار ناتھ کی باتیں سُن رہے تھے۔ امکار ناتھ نے جب اپنی تقریر ختم کی تو

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"امکار ناتھ۔ یہ لو خالی چیک اور بھرلو اس میں اپنی مرضی کی رقم۔ لاکھ۔ دس لاکھ۔ بیس لاکھ۔ جو چاہیئے بھرلو۔ یہ میری طرف سے انعام ہے اگر تم جمال کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔" بلال صاحب نے چیک بک سیکریٹری امکار ناتھ کی طرف پھینک کر کہا۔

"بلال صاحب آپ جذبات سے کام لے رہے ہیں۔ یہ منصوبہ ایک ہی آدمی کا نہیں بلکہ ہم سب مل جل کر یہ کام لیں گے۔ جمال کو ختم کرنے سے صرف آپ کی غرض پوری نہیں ہوگی بلکہ ہم سب کا مطلب نکلے گا۔" امکار ناتھ نے اپنے چہرے پر مکارانہ اور بزدلانہ مسکراہٹ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جمال نے آخر ہم سب سے ٹکر کیوں لی؟ وہ ہمارا ساتھی کیوں نہیں بنتا۔؟" وقار نے سوال کیا۔

"بس ہم سب کو نیچا دکھانے کے لئے۔ وہ ہمیں بلیک میل اس لئے کرتا ہے، تاکہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ وہ ہر وقت ہم سے کھیلتا ہے۔ ہماری خودی اور ہماری عزت پر کیچڑ اچھالنے میں اسے مزا آتا ہے۔ اس نے ہم سب کو چوہوں کی مانند بنایا ہے جو جمال کا نام سُن کر اپنے اپنے بلوں میں دبک جاتے ہیں۔" عزیز احمد نے کہا۔

"اب ہم کو صرف جمال سے نہیں بلکہ ہر ایک آدمی سے ڈرنا ہے چاہے وہ کوئی معمولی آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہی دیکھ لو کہ ایک معمولی چھوکرے رشید نے عزیز احمد کی بیٹی سلیمہ کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ خواجہ طاروقی نے اسے ڈانٹا وہ حرامزادہ خواجہ پر جھپٹ پڑا۔ خیر اس کی بہبودگی پر رحمان صاحب قانون کو حرکت میں لائے اور اس بدمعاش کو حولات میں بند کروایا اس کے خلاف دفعہ ۳۰۷ کا کیس بنایا گیا لیکن جمال خواہ مخواہ اس معاملے میں ٹانگ اڑانے لگا۔ یہ نہ کسی بیوپاری کا معاملہ ہے نہ پیسے بٹورنے کا کوئی راستہ۔ جمال نے پھر اس معاملے میں کیوں دلچسپی لی۔؟ کیونکہ ایک معمولی آدمی کے حق میں دس لاکھ کی ضمانت دے کر اسے جیل سے چھڑا لیا۔؟ صرف اس لئے کیونکہ وہ نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ اب وہ ہماری گھریلو زندگیوں میں بھی مداخلت کرنے کی جراءت کرنے لگا ہے۔ اس نے عزیز کو دھمکی دی ہے کہ اگر سلیمہ کی شادی فوراً اس چند ٹکے کے چھوکرے رشید سے نہ ہوجائے تو عزیز احمد کے سب سنیما گھر بند

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوجائیں گے۔ اس نے عزیز کے چند اہم راز فاش کرنے کی دھمکی دی ہے۔ اس سے پہلے جمال نے مجھے بھی ایک ایسی دھمکی دی۔ ایک معمولی عورت جس کی بیٹی کو ہمارے ساتھی وزیر جوہر احمد نے بالغ بنایا تھا جمال کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ جمال نے سونیا پرکاش اور مجھے ایسی ایسی دھمکیاں دیں کہ مجبوراً ہمیں وہ کام کرنا پڑا جو ہم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ سب بلیک میلنگ ہے اس کا مطلب ہے کہ اب ہم سب اپنی مرضی سے کچھ کر نہیں سکتے ہیں۔ ہمیں جمال کے اشاروں پر ناچنا پڑے گا وہ اپنی طاقت سے آہستہ آہستہ ہم سب کو غلام بنا رہا ہے۔" ڈاکٹر جیلانی نے اپنے جذبات کا بھرپور اظہار کیا۔

"پھر فائدہ کیا ہے ہماری دولت کا۔ ہمارے جاہ جلال کا جب ہم اپنی مرضی سے سانس نہیں لے سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم سب اس وقت مل جل کر کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو میں اس بھائی چارے سے الگ ہوکر جمال کی اطاعت قبول کرلوں گا۔ اپنی زندگی کی ساری کمائی جمال کے قدموں میں ڈال کر کسی جنگل کی راہ لوں گا۔"

ایک دوسرے سرمایہ دار نے اپنی کمزوری بیان کرتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ سب لوگ میری بات اتفاق کرلیں تو ہم اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں۔ امکار ناتھ نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟" آپ عزیز نے پوچھا۔

"میرے دماغ میں ایک ایسی تجویز ہے جس پر عمل کرکے ہم جمال کی بڑھتی ہوئی طاقت کا خاتمہ کرسکتے ہیں۔" عیار امکار ناتھ نے دوبارہ اپنے چہرے پر مکارانہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے؟ جلدی بولیے۔؟" سب نے ایک ساتھ پوچھا۔

"قتل۔ ایک اور قتل۔ جمال کا قتل" امکار ناتھ نے تجویز پیش کی۔

چند لمحوں کے لئے سب بوکھلا گئے۔ چہروں کا رنگ فق ہوگیا۔

"ہاں۔ قتل۔ یہ ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ پہلے بھی اسی طرح ایسے پتھر اپنے راستوں سے ہٹا دیئے ہیں۔ اب جمال اسی طرح ہمارا راستہ روکے کھڑا ہے۔ ہم اس کو بھی ہٹادیں گے۔ بات ختم۔" امکار ناتھ کی شکل بھیڑ کی تھی لیکن اندر ایک بھیڑیا چھپا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا جس کے دل میں رحم نام کا کوئی جذبہ موجود نہ تھا۔

"امکار۔ جمال ایک چھوٹا پتھر نہیں بلکہ ایک بڑی چٹان ہے۔ پہاڑ نما چٹان۔" منسٹر جوہر احمد نے کہا۔

"منسٹر صاحب اس چٹان کو اُڑانے کے لئے میرے پاس بارود ہے۔" ایس۔ پی رحمان نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"جلدی کچھ کیجئے۔ جلدی کچھ سوچیئے۔ میرے دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی ہیں۔ شاید مجھے دل کا دورہ پڑھنے والا ہے۔" بلال صاحب نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وقار احمد۔ ڈاکٹر جیلانی۔ عزیز احمد۔ طاروقی۔ سونیا پرکاش اور دوسرے لوگوں کے ماتھوں پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ سب کے دل دھڑک رہے تھے۔

"ہاں۔ میرا بارود ہے اصد پاچہ۔ ایک مانا ہوا غنڈہ۔ ایک بے رحم قاتل اصد پاچہ شہر کے سب غنڈوں اور بدمعاشوں پر راج کرتا ہے۔ اس کے اشارے پر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ چند روپیوں کے عوض جمال کو ہمیشہ کے لئے خاموش کروا سکے گا۔" ایس۔ پی رحمان نے اپنے ساتھیوں کو بھروسہ دلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے۔" مکار آدمی امکار ناتھ نے فوراً کہا۔

"ہاں ہم بھی اس فیصلے کے ساتھ ہیں۔" طاروقی اور دوسرے ساتھیوں نے کہا۔ اس فیصلے کے بعد سب کے چہرے سے پریشانی کے آثار غائب ہوئے۔ موضوع بدل گیا اور کالے دھندوں پیسے کمانے کے نئے طریقوں حکومت کی بنائی سبسڈی اسکیموں پر روشنی ڈالی گئی۔ ایک دوسرے کو سمجھانے اور نیا طریقہ بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس بحث مباحثہ کے بعد وازہ وان کا دور شروع ہوا۔ خواجہ طاروقی نے اپنے خاص مشہور باورچی حبیب وازہ کے ذریعہ کھانے کے تقریباً ۲۲ اقسام پکوائے تھے۔ سب نے خوشی خوشی ہاتھ دھوئے۔ دسترخوان بچھوائے گئے چار چار آدمی مل کر ایک ایک ترامی کے گرد بیٹھ گئے۔ ترامی لذیذ کھانوں سے بھری تھی۔ طاروقی نے بسم اللہ کی آواز دی۔ امکار ناتھ نے باآواز بلند کہا۔

"آج ہم شروع کرلینگے یہ وازہ وان اس دُعا کے ساتھ کہ جمال کے قتل کی خوشی میں

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں دوبارہ طاروقی صاحب کے گھر میں ایک ایسا ہی وازہ وان کھانے کو ملے۔"

"آمین!" سب نے جواب میں کہا۔

سب نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دھڑام سے دروازہ کھلا۔

"آہ۔!" میں مرگیا خون میں لت پت ایک لمبا تڑنگا شخص لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھوڑی دیر لڑکھڑانے کے بعد وہ کمرے کے بیچ میں ایک شہتیر کی طرح گر پڑا۔

کمرے میں موجود معزز لوگ کھڑے ہوگئے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا کسی نے بھی اس خون میں لت پت سسکتے جسم کے قریب جانے کی جراءت نہیں کی سب خوف کے عالم میں دھڑکتے دلوں سے اس جسم کو تڑپتا دیکھ رہے تھے رستے ہوئے زخموں نے اس کے چہرے کو مسخ کردیا تھا۔ اس لئے اس کو دور سے کوئی پہچان نہ سکا۔ آخر ایس پی رحمان نے جراءت سے کام لیا۔ وہ اس جسم کے قریب چلاگیا۔ اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کا چہرہ صاف کرنے لگا۔

"اصد پاچہ۔!" سب نے اس چہرے کو پہچان لیا۔

"ہاں تمہارا بارود اور جمال کا قاتل۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔" دروازے پر کھڑا جمال ان سے کہہ رہا تھا۔

"جمال۔!" سب کے پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔

"رحمان صاحب یہ رہا وہ خطرناک غنڈہ اور بدمعاش جس کو تم پر بھروسہ ہے امکار ناتھ تم اپنے آپ کو عیار اور چالاک سمجھتے ہو ایک بزدل آدمی ہونے کے باوجود جمال کو مارنے کی تجویز پیش کر رہے ہو۔ یہ دیکھو تمہاری تجویز کا نتیجہ۔ تمہارے سامنے اصد پاچہ موجود ہے کہہ دو اسے کہ یہ جمال کو مار ڈالے۔ اصد پاچہ کو میں نے صرف تمہاری وجہ سے نہیں مارا کہ تم لوگوں نے اسے میرے مارنے کے لئے چُن لیا بلکہ اس لئے اس نے میرے دوست رشید کی بے عزتی حوالات میں کی ہے۔" جمال نے ان لوگوں سے کہا۔

دیوان خانے میں موجود لوگ آہستہ آہستہ سنبھلنے لگے۔ ایس پی رحمان نے فوراً جیب سے پستول نکال کر جمال سے کہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔"

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"واہ۔ ایس پی رحمان خود تمہارے ہاتھ لرز رہے ہیں اور مجھے ہاتھ اوپر اٹھانے کے لئے کہہ رہے ہو۔ اگر آج تم سچ مچ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہوتے تو اس طرح بزدلوں کی طرح تمہاری آواز نہیں لرزتی۔ اس طرح تمہاری ٹانگیں نہیں کپکپاتی۔ تم تو اس وقت چوروں کی طرح پکڑے گئے ہو۔" جمال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں گولی ماردوں گا۔ ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔" ایس پی کو واقعی غصہ آیا۔

"رحمان۔ پستول خاموشی سے جیب میں رکھو۔ تم مجھ پر گولی نہیں چلاسکتے۔" جمال نے اطمینان سے کہا۔

"کیوں۔!" رحمان نے کہا۔

اس لئے کیونکہ تم نے آج جو میٹنگ یہاں طلب کی تھی اس کی ریکارڈنگ ہوچکی ہے۔ تمہاری ہر بات ٹیپ ہوچکی ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان اس وقت جو بات چیت ہورہی ہے وہ بھی اس وقت میرے ایک ہوٹل میں ٹیپ ہورہی ہے۔ یہاں مولانا کے کمرے میں ہمارے آدمیوں نے ایک مظبوط مائیک لگائی ہے۔ یہاں کمرے میں ہونے والی ہر بات ہم یہاں سے میلوں دور اپنے کمرے میں سُن رہے تھے۔ ہم جو کھیل رہے ہیں اس کے داؤ پیچ بھی جانتے ہیں۔ تم سب لوگ اتنے بزدل ہو کہ مجھے مار کر قاتلوں کی فہرست میں اپنے ناموں کا اندراج نہیں کرانا چاہتے ہو۔ تو یہ کام دوسروں سے کرانا چاہتے ہو خود شریفوں کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ اور اپنے گناہوں کی نقاب دوسروں پر چڑھاتے ہو۔" ایس پی رحمان نے جمال کی طرف پستول تان لیا۔

"رحمان۔ پستول جیب میں رکھو۔ جیب میں جلدی رکھو ورنہ گولی نکل جائے گی۔ ہم سب کو گرفتار کیا جائے گا۔؟ میری بیوی بچے یتیم ہوجائیں گے۔ نہیں پھینک دو یہ پستول؟ بلال احمد نے رحمان کے ہاتھوں سے پستول چھین لیا۔ وہ جمال کی باتوں سے اتنا گھبرا گیا کہ وہ باضابطہ کانپنے لگا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔ یہ ہوئی نہ اچھی بات۔" جمال کے مُنہ سے ایک زور دار قہقہہ نکلا۔

"جمال کمرے میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ سب خوف اور دہشت کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔ جمال انکے قریب پہنچا پھر اس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے عزیز احمد کا گریبان پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔ عزیز کی زبان پر جیسے تالا لگا ہوا تھا اسکے مُنہ سے کوئی آواز بھی نکل نہ رہی تھی صرف چہرے سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"عزیز آج میں تمہارے پاس آیا ہوں تم سے یہ کہنے کہ تم اپنی بیٹی سلیمہ کی شادی رشید سے کرلو۔"

عزیز خاموش تھا۔

"عزیز۔ جلدی مجھے "ہاں" کا لفظ کہہ دو۔ مجھے میں چاہتا ہوں کہ کل میرے ہوٹل میں سلیمہ اور رشید کی شادی ہوجائے۔ بولو۔ جواب دو۔" عزیز کوئی جواب نہ دے سکا۔

"دیکھو جمال۔ مجھے صرف ایک بات کہنے کی اجازت دو۔" ڈاکٹر جیلانی نے جمال سے درخواست کی۔

"بولو۔ ڈاکٹر صاحب۔ کیا کہنا ہے جلدی بولو میں عزیز کی زبان سے شادی کے لئے اقرار سُننا چاہتا ہوں۔ ہاں تم جلدی بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" جمال نے ڈاکٹر جیلانی کو کہنے کی اجازت دی۔

"جمال میں تمہارے پاؤں پر گرتا ہوں۔ میری درخواست سُنو۔" ڈاکٹر جیلانی نے کہا۔

"صرف زبان سے کہتے ہو۔ میرے پاؤں پر گر کر کہو کیا کیا کہنا چاہتے ہو۔" جمال نے ڈاکٹر جیلانی سے کہا۔

ڈاکٹر جیلانی چند لمحوں کے لئے پریشان ہوگیا۔ اس نے پاؤں پر گرنا صرف محاورے کے طور پر استعمال کیا تھا لیکن اب جمال نے اسے پاؤں پر گرنے کا حکم دیا۔ اسے اس کے سوا اور کوئی چارہ دکھائی نہ دیا۔ جیلانی جمال کو اب ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جیلانی باضابطہ جمال کے پیروں پر گرگیا۔

جمال صاحب میرا عزیز کے ساتھ نہ کوئی رشتہ ہے نہ وہ کچھ میرا لگتا ہے میں صرف آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس سماج میں آپ کی عزت ہے اسی طرح ہم سب سماج میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ سماج میں عزیز اور اس کے خاندان کی ایک عزت ہے۔ ہم سب پیسہ اور دولت کسطرح جمع کرتے ہیں۔ یہ سب ہمارے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ باہر سماج میں ہم شان اور وقار کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمارے بچوں کے رشتے اچھے اچھے خاندانوں میں ہوتے ہیں۔ جہاں

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دولت ہو عزت ہو شہرت ہو۔ اگر عزیز اپنی بیٹی سلیمہ کی شادی کرے گا تو لڑکا بھی برابر کا ہونا چاہئیے۔ اس کے پاس دولت ہونی چاہئے خاندانی وقار اور شہرت ہونی چاہئیے۔ ایک ماں باپ اس طرح اپنی بیٹی کو کنویں میں پھینک نہیں سکتے۔ رشید کیا ہے ایک بیروزگار لڑکا جس نے اسکالر شپ حاصل کر کے تعلیم حاصل کی ہے۔ جس کے پاس خود تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے نہیں۔ رہنے کے لئے جگہ نہیں وہ عزیز کی اکلوتی بیٹی کو کہاں پر رکھ سکتا ہے۔ جمال آپ اس معاملے میں اگر زبردستی کرلیں گے تو آپ بڑی نا انصافی کر رہے ہیں۔ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ قدموں پر دولت سونے اور چاندی کے ڈھیر لگا سکتے ہیں۔ لیکن اپنے بچوں کی زندگیاں اس طرح خراب نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ صرف عزیز کی طرف سے بلکہ یہاں موجود تمام معزز لوگوں کی طرف سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہمیں اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت کی دھجیاں اڑانے پر مجبور مت کیجئیے۔ ہمیں اپنے انداز کے مطابق جینے دیجئیے ہم آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔" ڈاکٹر جیلانی نے جمال سے کہا۔

جمال خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"ہاں ہم سب آپ کی طرف دوستی کا بڑھاتے ہیں۔ آپ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ہم کوئی بھی قیمت دینے کے لئے تیار ہیں۔ آئیندہ آپ کو ہماری طرف سے فائدہ ملے گا اور ہم آپ کی مدد سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔" مولانا طاروقی نے کہا۔

جمال کھڑا سن رہا تھا۔

"جی ہاں۔ جمال صاحب۔ ہم سب آپکو ہر مہینہ بیس بیس لاکھ روپے کی رقم نذرانے کے طور پر دیا کریں گے۔ آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ پھر بھی آپ ہمارے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیں گے۔ نہ ہم کو ذلیل کریں گے۔ ہم آپ کو اپنے خاص آدمیوں میں شمار کرلیں گے۔ ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ پھر آئیندہ ہم ہمیشہ آپ کو اپنا تعاون دینگے۔" امکار ناتھ نے عیارانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں۔ جمال صاحب ہم سب آپکو ہر مہینے میں بیس لاکھ روپے کی رقم پہنچایا کریں گے۔" سب نے جمال کو یقین دلایا۔

"بس میں آپکو بھی فائدہ اور قوم کو بھی فائدہ۔" منسٹر جوہر نے کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیوان خانے میں موجود تمام لوگوں کی باتیں سننے کے بعد جمال کہنے لگا۔

"گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے تم بھی کمال کرتے ہو۔ ابھی تم ہی لوگ چند گھنٹے پہلے جمال کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ ابھی چند گھنٹے پہلے پُر جوش تقاریر کر کے جمال کو ناقابل برداشت قرار دے رہے تھے لیکن اب اس لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو رہے ہو جیسے صرف میں تمہارا سب کچھ ہوں۔ جیسے تم سب کے دلوں میں میرے لئے محبت اور عقیدت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ میں تم سب کو جانتا ہوں۔ ایک ایک کر کے پہچانتا ہوں۔ نہ تمہارے پاس دل ہے نہ ضمیر۔ نہ تم ایک وعدے پر قائم رہ سکتے ہو۔ جنگلوں میں رہنے والے گیدڑوں کیطرح تم سب کو مردار کھانے کی چاٹ پڑی ہے۔ تم بے کس مجبور اور لاچار لوگوں کے آگے شیر بن کر چنگھاڑتے ہو اور شیر کو سامنے دیکھ کر لومڑیوں کی مانند بھاگ جاتے ہو۔ تمہارے جینے کا سہارا کیا ہے غریبوں کا خون۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں بلال صاحب۔ تم بتاؤ کہ نقلی سونا بیچ کر تم نے کتنے غریبوں کے گھر اجاڑ دیئے۔ جب وہ لاچار اور سیدھے سادھے لوگ تمہارے پاس شکایت لیکر آتے ہیں تو رحمان کی مدد سے ان کو حوالات کی اندھیری کوٹھریوں میں بند کرواتے ہو تم سب لوگوں کا خون چوس رہے ہو۔ کوئی پولیس کے پاس دھائی دینے جاتا ہے تو رحمان کے آدمی اس کو دھکے مار مار کر نکالتے ہیں۔ کوئی منسٹر کے پاس جاتا ہے تو جوہر احمد ان کی بات سُننے سے انکار کرتا ہے۔ سیکریٹری امکار ناتھ صرف اپنے بغض کی وجہ سے نوجوانوں کا مستقبل تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اس کے خلاف بول بھی نہیں سکتا۔ احمد خان بمبئی میں خام مال سر عام بلیک میں بیچتا ہے اور اسے یہاں ٹرانسپورٹ سبسڈی ملتی ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی بات کرنے والا نہیں۔ سب تمہارے ہاتھوں کٹھ پتلی ہیں۔ تم لوگوں کا کوئی ایمان نہیں۔ کوئی مذہب نہیں اور پھر تم ملکر لٹیروں کی طرح اس پیسے کو آپس میں بانٹ لیتے ہو۔ غریبوں کے خون پر پل رہے ہو اور غریب کو آدم کی اولاد نہیں سمجھتے۔ اس کے ساتھ نفرت کرتے ہو۔" جمال کہہ رہا تھا۔

سب خاموشی سے سُن رہے تھے۔ کسی نے جمال کو جواب دینے کی جراءت نہ کی۔

"رشید میرا دوست ہے۔ وہ ایک ایماندار نوجوان ہے۔ تم لوگ اسے غریب لاچار بے کس سمجھ کر اسے اپنے پاؤں تلے روندھ رہے ہو۔ عزیز اسے اس لئے پسند نہیں کرتا کیونکہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس کے پاس دولت نہیں ہے تم لوگوں کی طرح گھٹیا اور گھناؤنے کام نہیں کرتا ہے۔ اس کا کوئی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ ارے بد بختو یہ بتاؤ کہ تمہاری سوسائٹی کیسے بنتی ہے۔ کیا اس سوسائٹی میں داخل ہونے کے لئے گنہگار بننا پڑتا ہے۔ بے گناہ کو تم سلاخوں کے پیچھے کرواتے ہو۔ خواجہ طاروقی نے رشید جیسے معصوم لڑکے کو حوالات کی کوٹھری میں بند کروایا اس کے بدلے میں عزیز کی شاباشی قبول کی۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے وقت تم بھول جاتے ہو کہ محبت اور الفت کیا چیز ہے۔ تمہارے سامنے دولت ہی سب کچھ ہے۔ تم لوگ غریب اور معصوم لوگوں کے خون اور پسینہ پر شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتے ہو۔ پھر یہی خون اور پسینہ اکھٹا کر کے اپنے لئے شہد کا گھر بناتے ہو۔ جب یہی غریب تمہارے شہد کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو چیخ اٹھتے ہو۔ خوفناک انداز میں اس پر جھپٹ پڑتے ہو اس کا سراپا کاٹ دیتے ہو۔ اس کا حلیہ بگاڑ دیتے ہو۔ آخر یہ کب تک ہوتا رہے گا۔؟ کب تک غریبوں کے ارمانوں اور آرزوؤں کا خون ہوتا رہے گا۔؟ کب تک ان کی معصوم محبت کو سونے اور چاندی کے بتوں کے آگے بھینٹ چڑھایا جاتا رہے گا۔؟ کب تک ایک سرمایہ دار اپنی من مانی کرتا رہیگا۔ اپنی مرضی سے معصوم لوگوں کی محبت خریدتا پھرتا رہے گا۔ کب تک۔! جواب دو۔؟" جمال جذبات کے عالم میں چیخ اُٹھا لیکن کسی نے جواب دینے کی ہمت نہیں کی۔ جمال جذبات کی رو میں بہہ کر کہے جارہا تھا۔

"سُنو۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ میری محبت خریدی گئی۔ میری معصومیت کی قیمت لگائی گئی۔ میری تمناؤں کو نیلام پر چڑھایا گیا۔ مجھے میری اپنی محبت پہچاننے سے انکار کیا کیونکہ وہ ایک سونے کے خوبصورت پنجرے میں پھنس چکی تھی۔ میری محبت کا سودا ہوا۔ لیکن آج محبت دولت کا گھمنڈ توڑنے نکلی ہے۔ آج رشید سونے کے پنجرے میں پھنسی ایک معصوم لڑکی کو نکالنے کے لئے نکلا ہے۔ ایک بھولا بھالا لڑکا جس نے کبھی دولت کی طاقت کو قوت سمجھنے کی کوشش نہیں کی ایک لڑکی کے ساتھ محبت کرنے لگا جو سرمایہ کی طاقتور زنجیروں میں بندھی ہوئی ہے۔ وہ معصوم لڑکی ان زنجیروں سے خود کو چھڑا کر ایک آزاد فضا میں جانا چاہتی ہے۔ جہاں محبت کے سائے تلے جگایا جا سکے۔ کھلے دل سے ہنسنے اور قہقہے لگانے کی آزادی ہو۔ جہاں اس کے احساسات مصنوعی اور رنگ بدلتے سماج کے لئے بے رحم چابک سے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھلنی نہ کئے جائیں سلیمہ نے اپنے پیارے رشید کی اندھیری دنیا میں محبت کے چراغ روشن کئے اگر یہ چراغ اس کی زندگی سے دور کئے گئے تو رشید کی ناؤ اندھیری گہرائیوں میں ڈوبتی چلی جائیگی پھر ممکن ہے کہ رشید کبھی اپنی زندگی کی ناؤ کو سطح پر لاسکے لیکن اس وقت وہ رشید نہیں ہوگا بلکہ جمال بن کر تم لوگوں سے انتقام لے گا۔ اس کی منزل ہوگی بھنور۔" جمال کہہ رہا تھا۔

سب خاموشی سے جمال کی طرف دیکھ رہے تھے کسی نے بیچ میں بولنے کی کوشش نہ کی۔ جمال دوبارہ عزیز سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"عزیز میں تم سے کہتا ہوں کہ کل اپنی بیٹی سلیمہ کو اپنے ساتھ لاکر میرے ہوٹل میں آنا۔ وہاں تمہاری مرضی سے سلیمہ کی شادی رشید سے ہوگی۔ یہ محبت اور دولت کی جنگ ہے۔ میں نے ایک دفعہ یہ جنگ دولت کے آگے ہار لی لیکن آج میں رشید کو ہارنے نہیں دوں گا۔ آج رشید کی فتح میری فتح ہوگی۔ آج رشید کے ساتھ جمال ہے جو تم جیسے لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم طاقت کے ڈرتے ہو۔ لاچاری اور بے کسی کو تم اپنا شکار سمجھتے ہو۔ رشید اور سلیمہ کی شادی جمال کے خوابوں کی تعمیر ہوگی۔ اگر رشید اور سلیمہ کے بیچ کسی نے بھی دیوار بنائی تو میں اس دیوار کو مسمار کردوں گا۔ اگر کسی نے بھی اس شادی کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کی تو میں اس آواز کا گلا گھونٹ دوں گا۔ میں تباہی اور بربادی کے دروازے کھول دونگا جمال دھاڑنے لگا۔

سب جمال کی باتوں سے تھرا اٹھے۔

"آگ کی ہولی کھیلی جائے گی امکار ناتھ۔" جمال نے امکار سے کہا۔ امکار کے منہ سے کوئی بات ہی باہر نہ آرہی تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ سب خاموش تھے صرف عزیز احمد نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"جمال صاحب۔ آخر اس دنیا میں رشید کا کوئی ہوگا۔ میرا مطلب ہے اس کے ماں باپ۔ اس کا خاندان۔"

"رشید حرام کی اولاد ہے۔" جمال نے انکشاف کیا۔

"کیا؟" سب چیخ اٹھے۔

"ارے جمال کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کیا آپ مذہب سے واقف نہیں۔ ایک حرام کی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اولاد کو شادی کیسے مل سکتی ہے۔" خواجہ طاروقی نے جمال کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مولانا۔ میں تم سے زیادہ مذہب جانتا ہوں۔ گنہگار رشید نہیں بلکہ وہ ہیں جنہوں نے لذّت کی خاطر گناہ کیا۔ جن کے گناہوں کا نتیجہ رشید ہے۔" جمال نے کہا

"کون ہیں وہ لوگ؟ فنسٹر جوہر نے گھبراتے ہوئے کہا۔ اسے شک ہوا کہ کہیں اس کا کوئی راز فاش نہ ہوجائے۔

"رشید کو جنم دیا ہے ڈاکٹر جیلانی کی بیٹی شبنم نے۔" جمال نے دوسرا انکشاف کیا۔

کمرے میں جیسے دھماکہ ہوا۔ سب چونک اٹھے۔

"یہ جھوٹ ہے۔" ڈاکٹر جیلانی چیخ اُٹھا۔

"ڈاکٹر حقیقت سے کبھی پردہ اٹھ ہی جاتا ہے۔ آج سے ۲۴ سال پہلے ڈاکٹر جیلانی کی بیٹی نے شہتوت کے نشے میں مست ہوکر اپنے کنوارے بدن کو دوسروں کے حوالے کیا۔ اس نے اپنی جوانی کا بھرپور مزا اٹھایا لیکن بد قسمتی سے ایک حرام کی اولاد اس کے پیٹ میں پلنے لگی جب شبنم کے ماں باپ کو اس بات کا علم ہوا تو اولاد کو پیٹ میں ہی مارنے کا وقت گزر چکا تھا۔ باپ بیٹی نے ملکر بچے کو جنم دیتے وقت ہی ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ بچہ پیدا ہوا اور شبنم نے اس کا گلاگھونٹ دیا۔ ماں سمجھی کہ بیٹا مرگیا لیکن وہ مر نہیں گیا تھا بلکہ ڈاکٹر جیلانی کے وفادار نوکر غلام رسول اور اس کی بیوی نے بچے کو سہارا دیا۔ تمہارے خاندان کے گناہ کو غلام رسول کی بیوی نے اپنی چھاتی کا دودھ پلایا۔ انہوں نے رشید کو اپنا بیٹا سمجھا۔ لیکن رشید کی قسمت میں زیادہ دیر ان کا پیار نہیں تھا۔ بھوک افلاس اور غربت کے عالم میں دونوں میاں بیوی مرگئے۔ بے رحمی کا عالم دیکھو کہ وہی وفادار نوکر اسوقت جبکہ اس کی بیوی مر رہی تھی ڈاکٹر جیلانی کے پاس دوائی اُدھار مانگنے گیا تھا اور اسے وہ دوائی نہ ملی۔ اس کی بیوی مرگئی اور غریب غلام رسول بھی مرگیا۔ ان کے مرنے کے بعد رشید نے اپنی زندگی خود بنائی۔ ایک اچھی خاصی تعلیم بھی حاصل کی۔ اور تم لوگ اس کے خاندان کے بارے میں پوچھتے ہو۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرلو کہ رشید کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔" جمال نے کہا۔

جمال کی باتیں سُن کر ڈاکٹر جیلانی کو آج سے ۲۴ سال پہلے کا واقعہ یاد آیا۔ اسے سب کچھ یاد آیا۔ اسے وہ غریب غلام رسول بھی یاد آیا۔ جس کے ہاں اچانک بیٹا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رشید واقعی اس کی بیٹی شبنم کا بیٹا ہے۔ شرم سے اسکی گردن جھک گئی۔

جمال کہہ رہا تھا۔

"ڈاکٹر جیلانی کیا تمہیں یاد ہے کہ آج سے چند مہینوں پہلے ایک بوڑھی عورت اپنی معصوم بیٹی کا ابارشن کرانے آئی تھی۔ تم نے اس بیچاری کو دھکے مار مار کر نکال تم جانتے تھے کہ وہ تمہارے ہی دوست جوہر احمد کا شکار بنی تھی تم جانتے تھے کہ تم ابارشن کے کام میں ماہر ہو۔ سونیا پرکاش نے لیڈیز ہیئر سیلون لیڈیز ڈریسنگ روم۔ گرلز میک اپ سینٹر۔ لیڈیز ہوسٹل لیڈیز ریڈینگ روم بنائے ہیں جہاں ماڈرنزم کے نام پر جوان لڑکیوں کو پھنسایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ان لڑکیوں کو عیاشی کے دھندے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب ان میں سے کسی کا پیٹ پھولنے لگتا۔ تو تم ہی ان کا ابارشن کرتے ہو۔ تم نے ایک معصوم عورت کے راز کو اخبار میں شہرت حاصل کرنے کی خاطر چھپوایا۔ لیکن یہ بھول گئے کہ تمہارے گھر کا راز تمہارے گھر کا گناہ پل کر جوان ہوچکا ہے۔ یہ دیکھو رشید تمہاری مکاری اور عیاری کا تحفہ ہے۔ آج وہ حقیقت بن کر تمہارے سامنے کھڑا ہے تمہاری مکاری اور عیاری کے خلاف لڑنے کے لئے۔ اب تم اس حقیقت کا مُنہ بند نہیں کرسکتے۔ اب تم اپنے خاندان کے گناہوں پر زیادہ دیر پردہ ڈال نہیں سکتے۔" جمال نے جذبات سے لبریز آواز میں کہا۔

ڈاکٹر جیلانی سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جیسے کسی نے اس کے تمام گناہوں کا بوجھ اس کے سر کے اوپر رکھا اور اسکا سارا وجود اس بوجھ تلے دبا جارہا تھا۔

ایگزیکٹیو انجنیر وقار احمد جمال کی باتوں کو سُن رہا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اور آنکھوں میں سرخی نمودار ہورہی تھی۔ اس کا چہرہ غصے کے عالم میں سرخ ہوگیا۔ وہ اوپر سے نیچے تک غصے کی ایک علامت بننے لگا ہے۔ دیوان خانے میں موجود سب لوگوں نے وقار احمد کی بدلتی حالت کو سمجھ لیا۔ غصے کی حالت میں وقار احمد آہستہ آہستہ ڈاکٹر جیلانی کی طرف بڑھنے لگا۔ ڈاکٹر جیلانی کے قریب پہنچ کر اسنے اپنے سسر ڈاکٹر جیلانی کا گریبان پکڑ کر اسے اوپر ہوا میں اُچھالا۔

"کیا ہوا۔!" جمال وقار احمد پر دھاڑا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جمال صاحب اس دھوکے باز نے اپنی بے شرم بیٹی میرے سر باندھ دی ہے اس کی بیٹی شبنم کا بدنصیب شوہر ہوں۔ میں۔ ہاں۔ میں۔ میں آج تک ایک بچے کے لئے ترس رہا ہوں۔ شبنم کسی بچے کو جنم دینے کے قابل ہی نہیں ہے۔ آج میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کسی دوسرے بچے کو جنم کیوں نہیں دے سکتی آج مجھے شبنم کے ماضی کا علم ہوگیا۔ اس دھوکے باز مکار آدمی نے مجھے اندھیرے میں رکھا۔ وقار احمد نے یہ کہہ کر ایک زور دار لات زمین پر گرے ڈاکٹر جیلانی کے چہرے پر رسید کی۔

"کس نے کس کو دھوکہ دیا مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تم سب نے ملکر دنیا کو دھوکا دے رہے ہو اور پھر اکیلے میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو دھوکہ دے رہے ہو یہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ مجھے صرف ایک چیز سے غرض ہے وہ ہے رشید اور سلیمہ کی شادی۔ اس کے لئے تم سب عزیز کو تیار کرلو اور میں کل ہوٹل میں عزیز کی بیٹی سلیمہ کا انتظار کر رہا ہوں۔ تم سب کو شادی کی دعوت ہے۔ آج یہاں تم کچھ کھا نہ سکے لیکن کل ہوٹل میں آرام سے کھا سکوگے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ کل اگر عزیز اپنی بیٹی کو وہاں نہیں لے آیا تو تباہی کے دھانے کھل جائیں گے۔ تم سب بھیک مانگنے لگوگے جمال کی بات ٹالنے کی جراءت نہیں کرنا۔" یہ سب کچھ کہہ کر جمال وہاں سے چلا گیا۔

سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے تھے۔ ان کو لگ رہا تھا جیسے جمال نے ان سب کو بھنور کی آغوش میں لاکر کھڑا کیا ہے۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دسواں باب

"بول حرامزادی تم نے شادی سے پہلے ایک حرام بیٹے کو جنم دیا تھا۔؟" وقار احمد اپنی بیوی شبنم کے بال کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چھوڑ دو۔ چھوڑ دو مجھے۔!" شبنم چلا رہی تھی۔

"نہیں۔ دھوکے باز۔ کمینی۔ چڑیل۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ مجھے تباہ کر دیا۔ آج تمہارے گناہوں کی سزا میں بھگت رہا ہوں۔ میں باپ نہیں بن سکا۔ میرے اولاد ہونے کے ارمان پورے نہیں ہوئے۔ بول تم نے میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیوں کیا۔" وقار احمد نے شبنم کو ایک بار پھر زور سے کھینچ کر کمرے کے ایک طرف پھینک دیا۔

"تم۔ وحشی درندے۔ مجھے اتنا کیوں مار رہے ہو۔ ہاں۔ ہاں۔ یہ سچ ہے۔ میں کنواری ہی ماں بن چکی تھی۔" شبنم نے آخر اپنا گناہ تسلیم کیا۔

"کیا۔!" وقار احمد کا سر چکرانے لگا۔

"ہاں وقار احمد۔ یہ بات سچ ہے لیکن یہ میرا قصور نہیں بلکہ میرے ماحول کا قصور تھا۔ میں اس وقت ایک کھلے آزاد ماحول میں پرورش پا رہی تھی۔ ماں باپ نے مجھ پر کوئی نگاہ نہ رکھی۔ میں کیا کرتی تھی۔ کیا سوچتی تھی۔ کس سے ملتی تھی اس کے بارے میں کبھی میرے باپ نے میری طرف توجہ نہ دی۔ کبھی انہوں نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں رات کو دیر سے گھر کیوں لوٹتی ہوں۔ اس آزادی نے مجھے عیش و عشرت کی زندگی کی طرف راغب کیا۔ میں اس دلدل میں پھنستی ہی چلی گئی۔ میں لذت اور شہوت کی پرستش کرنے لگی۔ مجھے اچھے بُرے کا تمیز کرنا نہیں آیا۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں ماں بننے والی تھی۔ اس وقت میرے ماں باپ کو بھی میرے بارے میں سوچنے کے لئے ہوش آیا۔ مجھے میرے باپ نے کہا کہ میں اپنے ہونے والے بچے کا قتل کر لوں۔ میں نے اپنے باپ کا کہنا مان لیا۔ دنیا کے خوف سے سماج کے ڈر سے میں نے اپنے بچے کا گلا گھونٹ دیا۔ میں نے اپنے نوکر کی بیوی سے کہا کہ وہ اس معصوم جان کو کسی دریا میں پھینک دے۔ وقار یہ سب کچھ مجھ سے بوکھلاہٹ کے عالم میں ہوا۔ میرے ہاتھوں میرے ہی بچے کا خون ہوا۔ اور خدا نے مجھے اس کی سزا دی۔ ہر بار میں پچھتاتی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہی ۔اپنے گناہوں پر خون کے آنسو بہاتی رہی۔مجھے خدا نے دوسری اولاد سے محروم رکھا ۔میں جانتی تھی کہ یہ میرے گناہ کی سزا ہے ۔اب میں خوش ہوں کہ میرا بچہ زندہ ہے ۔ میرا رشید زندہ ہے۔" شبنم نے اپنے شوہر سے کہا۔

"کمینی۔ رنڈی۔اس طرح اپنی کہانی کہہ رہی ہو۔جیسے کہ تم نے کبھی کچھ نہیں کیا۔جیسے تم مریم جیسی پاک اور مقدّس ہو۔ تم نے تمہارے ماں باپ نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔وقار احمد چلایا۔

"وقار ۔اتنے زور سے مت چلاؤ۔میں تم کو جانتی ہوں۔ تمہارے اندر کے وجود کو پہچانتی ہوں ۔ تمہارے ساتھ میں نے زندگی کے ۲۴ سال گزار لئے اور ان ۲۴ سالوں میں میں نے ہمیشہ تم سے نفرت کی۔ تم ایک لالچی کتے ہو ہاں وقار۔ تم ایک لالچی کتے ہو۔ تم نے مجھ سے نہیں بلکہ میرے باپ کی دولت سے شادی کی۔ آج تم ایگزیکیٹو انجنیر ہو۔ آج تمہارا ایک کیریر ہے۔یہ کیریر تم نے کیسے بنایا۔ بتاؤ جواب دو۔صرف میری وجہ سے ۔ تم نے مجھے شادی کے لئے نہیں بلکہ اپنا کیریر بنانے کے لئے چُن لیا۔ جب تمہاری اور میری شادی کی بات چلی تو تم میرے باپ کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ جب اس کی انگلی اوپر اٹھتی تھی تو تم اوپر کھڑے ہوجاتے تھے اور جب اس کی انگلی نیچے آتی تو تم بیٹھ جاتے تھے۔ تم نے دیکھا بھی نہیں تھا اور میرے باپ کے پیروں پر گر کر میرے ساتھ شادی کرنے کی بھیک مانگتے تھے۔ تم نے میرے مزاج کو سمجھا بھی نہیں تھا اور میرے باپ کو خوش رکھنے کے ہزاروں وعدے دے رہے تھے بولو۔ایسا کیوں کرتے تھے۔ کیا دیکھا تھا تم نے مجھ میں کون سی خوبی تھی مجھ میں مجھ سے ملے بغیر مجھ پر کیسے فدا ہوئے اس بات کا صرف ایک جواب ہے کہ تم مجھ پر نہیں بلکہ میرے ماں باپ کی دولت پر عاشق ہوچکے تھے۔ تم اس وقت انجنیرنگ کا خالی سرٹیفکیٹ لئے بےکار گھوم رہے تھے۔ تم نے میرے باپ کے اثرو رسوخ استعمال کرنے کے لئے مجھ سے شادی کی۔ تمہاری چال کامیاب رہی۔ میرے باپ نے تمہیں نوکری دلائی۔ پیسہ دیا۔ دولت دی۔ اصل میں تم کو میرے باپ نے میرے لئے خرید لیا۔یاد ہے جب ہماری سہاگ رات تھی تم نے مجھ سے کہا کہ تم ایک غریب آدمی ہو اور تم ایک شہزادی اگر میری خدمت کرنے میں تم سے کوئی بھول ہوجائے تو میں تمہیں معاف کرلوں۔کیا یہی ایک شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے۔؟ تم احساس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمتری میں مبتلا ایک ایسے نوجوان تھے جس کو خود اپنے بکنے کا احساس تھا۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ میرے باپ نے اپنی دولت کے بل بوتے پر تمہیں خرید کر میرے قدموں میں ڈال دیا۔ وقار پہلی ملاقات اور پہلی ہی بات میں مجھے تم سے نفرت ہوگئی۔ میں نے تم کو اس وقت سے اپنا نوکر سمجھنا شروع کیا۔ میرے ساتھ رہ کر تم میری کسی بھی چیز کو اپنا کہنے کی جراءت بھی نہیں کرسکتے۔ میرے باپ نے میرے لئے ایک عالیشان بنگلہ تعمیر کیا۔ اور تم میرے ساتھ اس بنگلے میں رہنے لگے لیکن تم خود کو اس بنگلہ کا مالک کہنے کا حق نہیں رکھتے تھے۔" شبنم آج پہلی بار وقار کے سامنے اپنے دل کو کھول کر پیش کررہی تھی۔ اپنی نفرت کا زہر اُگل رہی تھی اور وقار سُن رہا تھا۔

"وقار میرے ساتھ شادی کرکے تم کو بہت ساری دولت ملی۔ تم نے وہ عیش و آرام دیکھ لیا جس کا خواب بھی تم نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ تم میرے بنگلے کو دیکھ کر خوشی میں جھوم رہے تھے۔ تم قیمتی سامان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ تم نے زندگی میں دیکھا ہی کیا تھا۔؟ تمہارے پاس انجینئرنگ کی سرٹیفکٹ کے بغیر مجھے دینے کے لئے کیا تھا۔؟ کچھ بھی نہیں۔ تم تو بس بازار میں بکنے کے لئے آئے اور میرے باپ نے تمہیں سب سے زیادہ قیمت دی۔ یاد ہے وقار جب میرے باپ کی عالیشان کوٹھی کے ڈرائینگ روم میں لگا وہ بڑا آئینہ تمہاری وجہ سے ٹوٹ گیا تو تم نے کتنی بار مجھ سے معافی مانگی۔ مجھے واقعی اس آئینہ کے ٹوٹنے پر غصہ آیا تھا اور تم میرا غصہ سرد کرنے کے لئے مجھے اس طرح منا رہے تھے جیسے ایک ملازم اپنے مالک کو منا رہا ہے۔ وقار آج تم ۲۴ سال کے بعد پہلی بار غصہ دکھا رہے ہو۔ آج سے پہلے تم نے کبھی غیرت مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ کبھی شوہر کا حق نہیں جتایا۔ تم مجھے کبھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ میرے ناراض ہونے کا مطلب تھا کہ میرے باپ ڈاکٹر جیلانی کا ناراض ہونا۔ اس کی ناراضگی سے تمہارے کیریر اور تمہارے مستقبل پر اثر پڑسکتا تھا اس لئے تم نے ہمیشہ اپنے اندر کے مرد کو مار دیا۔" شبنم کہہ رہی تھی اور وقار احمد سُن رہا تھا۔

"وقار۔ کیا تم جانتے ہو کہ ایک عورت کی خواہش کیا ہوتی ہے؟ ایک عورت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر واقعی ایک حقیقی مرد بن کر اس پر اپنا حق جتائے۔ ایک مرد کی طرح اسے پیار کرے۔ ایک مرد کی طرح اس کی حرکات پر نظر رکھے۔ جب بیوی کو اپنے شوہر

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا ڈر نہیں رہتا تو وہ بے لگام گھوڑی کی طرح راستوں پر بھٹک جاتی ہے۔ پھر کبھی اس کا شوہر اس لگام کو تھام نہیں سکتا۔"

وقار۔ آج تم نے سُنا کہ میں کنواری ماں بن چکی تھی۔ آج تم چیخ چلا رہے ہو۔ لیکن کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے ۲۴ سال پرانے واقعے پر آج کیوں پچھتا رہے ہو۔؟ آج تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو۔؟ شبنم نے وقار سے پوچھا۔

"یہی کہ تم لوگوں نے مجھ کو دھوکہ دیا تم نے تمہارے باپ نے میری مجبوری کا ناجائز فائدہ اُٹھایا۔" وقار چلایا۔

وقار دھوکہ تم نے مجھ کو دیا تم نے خود اپنے آپ کو بیچ دیا۔ تم اگر چاہتے تو تم اپنے لئے ایک اچھی زندگی بنا سکتے تھے۔ اپنی ہی حیثیت کی کسی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے اپنے گھر کو محبت کے پھولوں سے سجا سکتے تھے۔ تم اپنے گھر کے مالک بن سکتے تھے۔ لیکن تم نے دولت کی بلندیوں پر چڑھنا چاہا پھر دلدل میں پھنس گئے۔ اب تم اس دلدل سے باہر کبھی نہیں جا سکتے۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنی زبان بند رکھو اور کچھ مت کہو۔ ورنہ۔" شبنم نے اپنے شوہر کو دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"ورنہ کیا ہوگا۔؟ کیا ہوگا شبنم۔؟ میں کہتا ہوں کہ تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ جاؤ اپنے باپ کے گھر جاؤ۔ یہاں تمہارا کوئی نہیں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" وقار غصّے کے عالم میں پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔

وقار۔ یہ سب تمہاری کھوکھلی دھمکی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تم مجھے طلاق نہیں دے سکتے کیونکہ اس صورت میں مجھے نہیں بلکہ تم کو اس گھر سے نکلنا ہوگا۔ یہ مکان میرے نام پر ہے۔ باہر گیراج میں رکھی کار میرے نام پر ہے۔ یہاں پر ہر اہم چیز میرے نام پر ہے تجوری میں موجود لاکھوں روپیہ کا سونا میرا ہے۔ بینک میں لاکھوں روپیہ کا ڈپازٹ میرے نام پر ہے۔ میرے چالاک باپ نے تمہارے اردگرد سونے اور چاندی کے تاروں سے بنا جال بن کر تمہیں پھانس کر رکھا ہے۔ تم جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔ لیکن تمہیں عیش و آرام کی زندگی کو الوداع کہنا ہوگا۔ میرے لئے ایک ہی بات ہے۔ تم میرے ساتھ رہو یا نہ رہو میں اپنی مرضی کی خود مالک ہوں۔ میں جس طرح چاہوں جی سکتی ہوں۔ مجھ میں جینے کی طاقت ہے۔ تم مجھے یہاں سے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نکال نہیں سکتے ہو۔ تم خود جانا چاہتے ہو تو جاسکتے ہو لیکن تمہاری روٹی بند ہونے کا احتمال ہے۔ چونکہ تمہارے ساتھ ۲۴ سال کا طویل عرصہ گزارا ہے اس لئے تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ اپنی زبان خاموش رکھو۔ بھول جاؤ جو کچھ تم نے سُنا۔" شبنم نے وقار سے کہا۔

شبنم کی باتیں سُن کر وقار سنبھل گیا۔ وہ کھولتا ہوا لاوا جو اس کے ذہن میں اُبل رہا تھا ایک دم سرد پڑگیا۔ اسنے سمجھ لیا کہ وہ شبنم کو طلاق دے کر خود دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھاسکتا ہے۔ وہ شبنم کو نکالنے کی بات نہیں کرسکتا بلکہ شبنم ہی اسکو نکالنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب شبنم کا ہے۔ اس کو اپنی نوکری میں ترقیاں بھی شبنم کے باپ کی وجہ سے مل گئیں۔ شبنم کا باپ اسے نوکری میں کسی خردبرد کے کیس میں پھنسا بھی سکتا ہے۔ اس کو فٹ پاتھ پر بٹھایا جاسکتا ہے۔ وقار نے فوراً اپنی باتوں کا انداز بدل دیا۔

"نہیں۔ شبنم۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہیں طلاق دوں۔" وقار شبنم کو سمجھانے لگا۔

"میں جانتی تھی وقار۔" شبنم کے چہرے پر ایک عجیب فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

دراصل۔ دراصل۔ میں تم سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ شبنم تمہارے بغیر میرا کوئی نہیں ہے۔ میں صرف تم کو تمہاری غلطی کا احساس دلا رہا ہوں۔ کیا تم کو میری محبت کا اندازہ نہیں آج سے ۲۴ سال پہلے میں نے تمہارے لئے ماں باپ کو چھوڑا۔ بھائی بہنوں کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے مجھے بڑے شوق سے پالا پوسا تھا۔ پڑھایا لکھایا لیکن میں نے انہیں تمہارے خاطر چھوڑ دیا۔ میں اپنے باپ کے جنازے کو کندھا نہیں دے سکا۔ میں نے کبھی اپنے بھائی بہنوں اور رشتہ داروں کا خیال نہیں کیا۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے پیار کی خاطر کیا۔ میں نے تمہیں اپنے پاس سے دور رکھنے کا خیال بھی کبھی دل میں نہیں لایا۔ بس آج مجھے غصہ آیا۔ کیونکہ آج بھری محفل میں جمال نے میری عزت اُچھالی۔ سب کے سامنے چلا چلا کر کہنے لگا کہ ڈاکٹر جیلانی کی بیٹی شبنم نے ایک حرام کی اولاد کو جنم دیا۔ شبنم اگر میری جگہ تم ہوتی تو کیا تمہارا خون کھول نہیں اٹھتا۔؟ کیا تم اس آدمی کا منہ نوچنے کے لئے نہیں جھپٹتی جس نے سرِعام تمہیں ننگا کرکے تمہیں گالی دی۔ شبنم مجھے ایک غیرت مند شوہر کیطرح غصہ آیا۔ غصے کے عالم میں میں نے تمہارے باپ کے ساتھ کیا کیا تمہارے ساتھ کیا کیا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ شبنم مجھے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دلاسہ دینے کے بجائے مجھے جلی کٹی سُنا رہی ہو۔ میں بے چین ہو رہا ہوں۔ میرے ذہن میں ابھی تک جمال کی زہریلی اور طنزیہ باتیں گونج رہی ہیں۔ جب جمال ڈاکٹر جیلانی کی بیٹی شبنم کا ۲۴ سال پُرانا راز فاش کر رہا تھا تو طاروقی کے گھر میں موجود سب لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ رہی تھیں۔ سب مجھے اس طرح گھورنے لگے جیسے وہ گناہ تم نے نہیں بلکہ میں نے کیا تھا۔ شبنم خود اندازہ لگاؤ کہ اس وقت میری حالت کیا ہوگی پھر میں غصّے میں پاگل ہوا۔ شبنم اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہیں طلاق دوں گا۔ نہیں۔ ایسی بات بھی مت سوچو۔ میں سمجھ گیا کہ بچپن میں کم عمری اور کم ذہن ہونے کی وجہ سے تم نے کوئی غلطی کی ہوگی۔ چھوڑ دو۔ بھول جاؤ ان سب باتوں کو۔ وقار احمد نے فوراً اپنی ہار قبول کی۔ وہ اپنی کمزوریاں جانتا تھا اس لئے اس نے طلاق کی بات پر زیادہ زور دینا نہیں چاہا۔

"وقار اگر تمہیں جمال کی باتوں پر غصّہ آیا تو جمال کو چپ کیوں نہیں کر دیا۔ تم نے میرے بوڑھے باپ پر حملہ کیا کیوں کہ وہ کمزور تھا لیکن جمال کو چپ کرانے کی جراءت نہیں کی۔ یہ تمہاری بزدلی کا ثبوت ہے۔" شبنم اپنے شوہر پر برسنے لگی۔

"شبنم تم نہیں جانتی کہ جمال کون ہے۔ جمال ایک خطرناک آدمی ہے۔ اس سے ٹکر لینے کا مطلب ہے اپنی تباہی اور بربادی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جمال نے سلام پرلے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کس طرح کئے لیکن پولیس سب کچھ جانتے ہوئے بھی جمال کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکی کچھ نہیں۔ سب جمال سے ڈرتے ہیں جمال ایک طاقت کا نام ہے۔ وہ ہر کسی کی کمزوری سے واقف ہے ہر راز سے آشنا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس کو تمہارا ۲۴ سال پرانا راز بھی معلوم ہو چکا جبکہ تمہارے ساتھ رہ کر مجھے اس بات کی کبھی خبر نہ ہوئی۔" وقار نے شبنم سے کہا۔

"اچھا وقار اب جو کچھ ہوا وہ ہو گیا۔ اب تم میرے باپ کے پاس جا کر اپنے کئے کی معافی مانگو۔" شبنم وقار سے کہنے لگی۔

"نہیں میں کس مُنہ سے جاؤں گا۔ تم پہلے جاؤ۔ میرے لئے راستہ بناؤ پھر میں جاؤں گا۔ تم ڈاکٹر جیلانی کو سمجھاؤ کہ وقار نے سب کچھ غصّے میں پاگل ہو کر کیا تھا۔ اب وقار کو اپنے کئے پر پورا پچھتاوا ہے۔" وقار ایک کمزور شوہر کی طرح اپنی بیوی کو منانے لگا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ٹھیک ہے میں ڈیڈی کو مناتی ہوں ۔ لیکن ایک شرط پر۔ وقار سے شبنم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"کون سی بات ہے ڈارلنگ۔ ؟" وقار نے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تم میری بات مان لوگے تو پھر میں ساری عمر تمہاری خدمت کرتی رہونگی ۔ میں تمہاری کنیز بن جاؤں گی ۔" شبنم نے وقار سے کہا۔

"شبنم آج تک میں نے تمہاری کون سی بات ٹالی ہے۔" وقار نے کہا۔

"پھر میری بات سُن لو وقار ۔ میں رشید کو یہاں لانا چاہتی ہوں ۔ اپنے گھر میں پھر میری برسوں کی مراد پوری ہوجائے گی ۔ میں نے رشید کو جنم دیا ۔ میں اس کی ماں ہوں ۔ میں رشید کو اپنی چھاتی سے لگا کر اپنے سارے گناہوں کی معافی مانگ لوں گی ۔ پھر تم بھی اپنا ہاتھ میرے بچے رشید کے سر پر رکھو۔ ہم دونوں ملکر رشید کی دیکھ بھال کرلیں گے۔" شبنم نے وقار سے کہا۔

"شبنم۔!" وقار ایک بار پھر چیخ اُٹھا۔

"ہاں وقار ۔ میں اب ایک پل بھی اپنے رشید کے بغیر جی نہیں سکتی ۔ کل جمال نے میرے رشید کی خواہش پر اس کی شادی عزیز احمد کی بیٹی سلیمہ سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے میں بھی اس شادی میں شریک ہونے جاؤنگی ۔ میں اپنے بیٹے کی شادی خود اپنے ہاتھوں سے کرونگی ۔ میں اپنی بہو سلیمہ کو دیکھ لوں گی وقار میں جمال سے ڈرتی نہیں ہوں ۔ نہ مجھے اس سے نفرت ہے ۔ میں جمال کی قدرومنزلت کرنے لگی ہوں کہ اس نے میرے گناہوں کا انکشاف کرکے میری اندھیری زندگی میں روشن کرنیں چمکا دیں ۔ میں کل جمال سے مل کر اس کا شکریہ ادا کروں گی میں اپنے بیٹے کے پاؤں پڑکر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لوں گی ۔" شبنم نے وقار سے کہا۔

"شبنم سنبھل جاؤ۔ کیا تم جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟ تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں تمہارے گناہ کو خوشی سمجھ لوں ۔ تمہاری ناجائز اولاد کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھوں ۔ اس کی خاطر دنیا سے لڑوں ۔ اسے عزت اور آبرو کا مقام دوں ۔ شبنم ۔ وقار بہت گر سکتا ہے لیکن اتنا کبھی گر نہیں سکتا۔ اپنی بیوی کے ماضی کے گناہوں کو عزّت کا لبادہ پہنا کر فخر کے ساتھ سماج میں گھومے۔ نہیں شبنم میں یہ سب کچھ نہیں کرسکتا ۔" وقار نے اپنا فیصلہ سنایا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"لیکن میں اپنے بیٹے رشید کے بغیر جی نہیں سکتی۔ وہ میرا بیٹا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس سے دور نہیں رکھ سکتی۔ تم چاہے کچھ بھی کرو تم کر سکتے ہو۔" شبنم نے بھی اپنے فیصلے کا اعلان کیا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھل گیا اور ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

"کون ہو تم۔؟" دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ کہا۔

"میں رشید ہوں۔ تمہارا اور میرا رشتہ یہ ہے کہ تم میری حرامی ماں ہو ایک ناگن اپنے بچوں کو نگلنے سے پہلے پیار کرتی ہے لیکن تم نے مجھے جنم دیتے ہی نفرت سے میرا گلا گھونٹ دیا۔ تم اس ناگن سے بھی زیادہ خطرناک عورت ہو۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ نفرت۔ میں نے جمال سے تمہارا پتہ معلوم کیا اور میں یہاں تم سے یہی کہنے آیا ہوں کہ مجھے تم سے نفرت ہے۔" رشید نے شبنم سے کہا۔

"رشید میرے بیٹے۔ تمہارے بغیر میرا کوئی نہیں ہے۔ یہ مال دولت یہ جائداد یہ سب کچھ تمہارا ہے۔" شبنم نے رشید سے کہا۔

"شبنم تمہاری دولت میری نفرت کی آگ کو بجھا نہیں سکتی۔ اس جال میں تم وقار جیسے کمزور ارادے کے آدمی کو پھنسا سکتی ہو رشید کو نہیں۔ میں کل سلیمہ کے ساتھ شادی کر رہا ہوں تم اس شادی میں اپنا منحوس چہرہ لے کر نہیں آنا۔ اگر تمہارا منحوس سایہ میری شادی پر پڑا تو میں چین کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔" رشید نے اس سے کہا۔

"رشید میری بات سُنو۔" شبنم گڑگڑائی۔

"میں کچھ سُننا نہیں چاہتا۔" میں بس تمہارے منحوس سائے سے دور رہنا چاہتا ہوں۔

"میرے باپ نے مرتے وقت مجھ سے یہ کہا تھا کہ ایک دن ضرور آئے گا جب میں تمہارے چہرے پر تھوکنے آیا ہوں۔ تھوکنے آیا ہوں۔" یہ کہہ کر رشید قدم اُٹھاتے ہوئے واپس چلا گیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیارھواں باب

"یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ سلیمہ اور رشید کی شادی کبھی نہیں ہوسکتی۔ مجھے تباہی منظور ہے۔ بربادی منظور ہے۔ لیکن مجھے وہ زندگی منظور نہیں جہاں مجھے لوگوں کے زہریلے طعنوں کے تیر چھلنی کردیں گے۔ لوگ مجھ پر ہنسیں گے کہ میں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی ایک حرام کی اولاد کے ساتھ کی۔ نہیں میں جیتے جی کبھی ایسا ہونے نہیں دونگا۔ چاہے جمال مجھے تباہ کردے۔ چاہے وہ میرے تمام سنیما گھر جلا دے۔ میرے تمام راز افشا کردے۔ مجھے سب منظور ہے لیکن میں کسی بھی صورت میں سلیمہ کی شادی رشید سے ہونے نہیں دونگا۔" عزیز احمد اپنی بیوی عائشہ سے کہنے لگا۔

"لیکن عزیز۔ سلیمہ کی حالت کی طرف دیکھو اس کی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی میری بیٹی نہ کچھ کھاتی ہے نہ کچھ پیتی ہے۔ وہ بیچاری گُم سُم اس کمرے میں بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہتی ہے۔ اگر اس کی حالت یہی رہی تو وہ مرجائے گی۔ اسکے بغیر ہمارا کوئی نہیں ہے۔ عزیز کچھ کرو۔ خُدا کے لئے کچھ کرو۔" عزیز کی بیوی عائیشہ اس سے کہنے لگی۔

"کیا کروں۔؟ بولو کیا کروں۔؟"

"سلیمہ کی شادی رشید سے کرلو۔" عائیشہ نے اس سے کہا۔

"خاموش رہو ذلیل عورت۔ میں تم کو اور تمہاری بیٹی سلیمہ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں تمہارے ارمان کبھی پورے نہیں ہونے دونگا۔ میں ایک حرام کی اولاد کے حوالے اپنی عزت نہیں کرسکتا۔ میں لوگوں کے طعنے نہیں سُن سکتا۔ نہیں۔ میں یہ کبھی نہیں کرسکتا۔ میری بیٹی کی شادی میرے ہی خاندان کے برابر کسی دوسرے خاندان میں ہوسکتی ہے۔ میں ایک غریب اور بے سہارا چھوکرے کو اپنا داماد نہیں بنا سکتا۔ مجھے وہ بلیک میل کرارہا ہے۔ کل جمال نے بھری محفل میں میرا گریبان پکڑ کر مجھے دھمکی دی کہ اگر میں اپنی بیٹی کو رشید کے حوالے نہ کردوں تو وہ تباہی کے دروازے کھول دے گا۔ کھولنے دو جمال کو تباہی کے دروازے مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ میں جمال کا خواب کبھی پورا ہونے نہیں دوں گا۔ میں جمال کے آگے جھک نہیں سکتا۔ جمال اپنی طاقت منوانے کے لئے اپنی خودی کو تسکین دینے کے لئے سلیمہ اور رشید

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی شادی کرانا چاہتا ہے۔ یہ شادی جمال کی فتح ہوگی اور میری مکمل ہار۔ لیکن میں آج جمال کو جیتنے نہیں دونگا۔ آج جمال ہار جائے گا۔ آج اس کے رشید کو میری بیٹی اسی طرح ٹھکرائے گی۔ جس طرح بچپن میں جمال کو کبھی ٹھکرایا گیا تھا۔ جن لوگوں کو اس نے کل شادی کے موقعے پر مدعو کیا ہے۔ وہی لوگ کل دل کھول کر جمال کی بیوقوفی پر ہنسیں گے اس کا مذاق اڑائیں گے۔" عزیز کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر رہی تھی۔

"عزیز تمہیں کیا ہوگیا۔؟ تم جمال کو ہرانے کی باتیں سوچ رہے ہو۔ تم اپنی بیٹی کی زندگی کی طرف دیکھو۔ اس کی خوشی کے بارے میں سوچو۔ تم اندر جاکر دیکھ لو کہ سلیمہ کا چہرہ کتنا سکڑ چکا ہے۔ وہ مر جائے گی۔ عزیز۔ میری بیٹی کو بچاؤ۔ اس کے بغیر میرا کوئی نہیں ہے۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں کہ اب تم سلیمہ کی مراد پوری کرلو۔ اب سلیمہ اور رشید کو آپس میں ملنے دو سلیمہ رشید سے بہت پیار کرتی ہے تم ان کے پیار کے بیچ دیوار کھڑی مت کرو۔ ان پر زیادہ ظلم مت کرو۔" عائیشہ اپنے شوہر عزیز کے پاؤں پڑکر رونے لگی۔

"عائیشہ۔ سلیمہ مرجائے یا زندہ رہے مجھے اس کی فکر نہیں۔ مجھے آج جمال کو ہرانے کی فکر ہے۔ آج جمال کو سمجھ جانا چاہئیے کہ اس کی ہر بات پوری نہیں ہوسکتی۔ وہ ہر مرضی کو عملی جامہ پہنا نہیں سکتا۔ آج جمال کو میری طاقت کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ میں لوگوں کو دیکھ کر اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتا بلکہ میں سر کو اونچا اُٹھا کر چلوں گا۔ میں کل جمال کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا جمال کل اپنے ہوٹل کو سجائے گا۔ سنوارے گا۔ رشید کو دُلہا بنائے گا۔ اسے خیال ہے کہ وہ کل اس شہر کے معزز لوگوں کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے گا۔ اور عزیز کی لاچاری کو دکھانے کی کوشش کرے گا۔ اسے پورا یقین ہے کہ عزیز ایک بے غیرت باپ کی طرح اپنی بیٹی کو خاموشی سے دُلہن بنا کر جمال کی طاقت کے آگے سر جھکا لے گا۔ جمال نے یہ سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی محفل میں عزیز احمد اس کی طاقت اور عزت کی دھجیاں اڑا دے گا۔ جمال نے یہ کبھی خیال بھی نہیں کیا ہوگا کہ اس کی دعوت میں ہی اس پر اور اس کے بنائے ہوئے دُلے پر لوگ ہنسیں گے قہقہے لگائیں گے۔ جمال کا سر جُھک جائے گا۔ اس کے بنائے ہوئے دُلہا کا سر جھک جائے گا۔ میں عزیز ایک فاتح کی طرح مسکراؤں گا۔ قہقہے لگاؤں گا اس کی بے بسی اور لاچاری پر۔" عزیز نے ایک ارادے کے ساتھ کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"عزیز۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔؟" عائشہ نے عزیز احمد سے کہا۔

"میں جو کچھ سوچ رہا ہوں وہی ہوگا۔" عزیز نے اپنی بیوی سے کہا۔

"کیا ہوگا۔؟" عائشہ نے پوچھا۔

"سلیمہ کل اس ہوٹل میں جائیگی۔ جہاں جمال کے سزاروں مہمان اس کو دلہن کے روپ میں دیکھنے کے لئے منتظر ہونگے۔ جہاں جمال کا بنایا ہوا دُلہا پھولوں کا ہار لے کر اس کا انتظار کر رہا ہوگا لیکن سلیمہ ان پھولوں کو نوچ ڈالے گی۔" عزیز احمد نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو عزیز؟" عائشہ نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں۔ کل سلیمہ خود اپنی مرضی سے رشید کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرے گی۔" عزیز نے ایک پر سرار مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" عائشہ نے سوال کیا۔

"یہی ہوگا۔ تمہاری اکلوتی بیٹی سلیمہ کل اس محفل میں سب کے سامنے رشید کو ٹھکرائے گی۔ جمال کو بے عزت کردے گی۔ وہ رشید کو ایک حرامی نیچ اور غریب لڑکا کہہ کر اس سے شادی کرنے سے انکار کردے گی۔ اور وہاں دولت خاندان اور جاہ جلال کے گیت گائے گی۔ اپنے باپ کی حشمت کی تعریفیں کرے گی۔" عزیز نے کہا۔

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ کبھی نہیں۔ عزیز سلیمہ مرجائے لیکن رشید کو کبھی نہیں ٹھکرائے گی۔ تم شاید اس بات سے واقف نہیں کہ سلیمہ رشید کو کتنا چاہتی ہے وہ خود مٹ جائے گی لیکن رشید پر کبھی آنچ آنے نہیں دے گی۔ وہ کل جمال کے ہوٹل میں جاکر چیخ چیخ کر تمہارے ظلم کی داستان سُنائے گی۔ وہ بیچاری ان زخموں کے نشان دکھائے گی جو تم نے ایک وحشی درندے کی طرح مار مار کر دیئے۔ وہ اس ظلم کی کہانی سُنائے گی جو تم نے اس معصوم لڑکی پر ڈھایا۔ عزیز۔ تم ظالم ہو تمہارے سینے کے اندر دل نہیں بلکہ سخت پتھر کا ایک کالا ٹکڑا ہے۔ میں نے آج تک کچھ نہیں کہا۔ شادی سے لیکر آج تک تمہارے ظلم برداشت کرتی رہی لیکن آج کہتی ہوں کہ تم ایک خونی ہو۔ تم باپ نہیں بلکہ باپ کے نام پر ایک دھبّہ ہو یہ تم خواب میں مت سوچو کہ سلیمہ زندگی میں کبھی تمہاری تعریفیں کرے گی۔ وہ کبھی رشید کو ٹھکرا نہیں سکتی۔" عائشہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے بھی ایک ارادے کے ساتھ جواب دیا۔

"عزیز جانتا ہے کہ کس وقت کیا کرنا چاہئیے۔ آج تم خود دیکھ لو کہ میں کس طرح سلیمہ کی زبان بدل دونگا۔" یہ بات کہہ کر اچانک عزیز اپنی بیوی پر اس طرح جھپٹا جس طرح ایک شکاری اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اس نے اپنی بیوی کے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"چھوڑ دو مجھے۔ آہ۔ چھوڑ دو۔" عائیشہ کراہنے لگی۔

عزیز اس کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اس کمرے میں لے گیا جہاں سلیمہ گم سم بیٹھی ہوئی تھی۔

"سلیمہ۔!" عزیز گرج اُٹھا۔

سلیمہ نے آنکھیں اوپر اُٹھا کر دیکھا۔ اس کا باپ بالکل ایک وحشی جانور لگ رہا تھا۔ اس نے عائیشہ کو جکڑ رکھا تھا۔ سامنے ایک ٹیبل سے اس نے لمبی چھری اٹھائی۔ عزیز کی آنکھوں میں خون چڑھا ہوا تھا۔ سلیمہ نے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ بولی نہیں۔

"عزیز چھوڑ دو مجھے۔" عائیشہ خود کو چھڑانے کے لئے مچلنے لگی۔

"سلیمہ تم کیا جانتی ہو کہ کل رشید دُلہا بن کر تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔؟ لوگوں کا خیال ہے کہ کل تمہاری شادی رشید سے ہوگی۔" عزیز نے طنزیہ لہجے میں سلیمہ سے کہا۔

"سچ!" سلیمہ اُچھل پڑی۔

"یہ ایک پاگل آدمی کا کھیل ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ جمال کا ایک ایسا خواب جو کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔ کل تم اس بھکاری دُلے کے سامنے شادی سے انکار کروگی" عزیز نے سلیمہ سے کہا۔

"نہیں ڈیڈی۔ کبھی نہیں۔ چاہے آپ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ لیکن میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ میں رشید کی ہوں اور صرف رشید کی ہوکر رہونگی۔ مجھے کوئی رشید سے دور نہیں رکھ سکتا۔ میں مرجاؤں گی لیکن رشید کو ٹھکرانے کی جراءت نہیں کرسکتی۔" سلیمہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے بہنے لگے۔

"تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے جائیں گے بلکہ تمہاری ماں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے۔" عزیز دھاڑا۔

"کیا۔!" سلیمہ بوکھلا اُٹھی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"میں جانتا ہوں کہ تم ماں بیٹی ایک دوسرے کو کتنا چاہتی ہو۔ تمہاری آپس کی محبت دیکھ کر میں کبھی کبھی جل اُٹھتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں ہی پرایا ہوں۔ جیسے میں کوئی نہیں ہوں۔ آج میری خودی اور میری غیرت کا سوال ہے۔ آج مجھے فیصلہ کرنا ہے کہ میں اپنی آن کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی آن اور غیرت کو بچانے کے لئے اگر مجھے تمہاری ماں کو قتل کرنا پڑیگا۔ تو میں اس سے نہیں ہچکچاؤں گا۔" عزیز نے سلیمہ کو دھمکی دی۔

"چھوڑ دو مجھے۔ چھوڑ دو مجھے۔" عزیز کی آنکھوں میں خون دیکھ کر اس کی بیوی گھبرا گئی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"چھوڑ دیجیے میری ماں کو۔ وہ بے قصور ہے۔" سلیمہ چلائی۔

"سلیمہ جتنی زیادہ مجھے تمہاری ماں سے نفرت ہے اتنی ہی زیادہ تمہیں اس سے محبت ہے آج میری نفرت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں تمہاری ماں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ اسکا خون بہا دوں۔" عزیز چلایا۔

"نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔؟" سلیمہ نے جواب دیا۔

"ایک صورت میں۔" عزیز نے کہا۔

"کیا۔!" سلیمہ کے مُنہ سے نکلا۔

"تم کل وہی کروگی جو میں کہوں گا۔" عزیز نے کہا۔

"نہیں۔!" سلیمہ کے دل کی گہرائیوں سے آواز ابھری مگر ہونٹوں تک نہ آسکی۔

"ہاں کل تم وہی کروگی جو میں کہوں گا۔ کل تم دولت کی بڑائی کے گیت گاؤگی۔ کل تم رشید کو اس طرح ٹھکراؤگی جیسے رشید کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جیسے وہ خاک کا ایک ذرہ ہے۔ کل تم اسے سمجھاؤگی کہ وہ تمہارے اور تمہارے خاندان کے لائق نہیں ہے کل تم جمال کی محفل میں اپنے باپ کا نام عزت و احترام سے لوگی تم دولت کی پجارن بن کر رشید سے ٹکراؤگی۔ کل تم رشید اور جمال کو ذلیل کروگی۔ ان کی حالت ایسی ہونی چاہئیے کہ وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں۔" عزیز اپنی بیٹی سلیمہ کو سکھانے لگا۔

"لیکن میں یہ سب کچھ کر نہیں سکتی۔" سلیمہ نے مدہم لہجے میں جواب دیا۔

"تمہیں سب کچھ کہنا ہوگا ورنہ تمہاری ماں کی آواز ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی۔ تمہاری

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ماں نے ہمیشہ تمہارے لئے قربانیاں دیں ہیں۔ اسنے تمہاری خاطر دکھ برداشت کئے ہیں۔ آج تمہارے امتحان کا وقت آپہنچا ہے۔ آج تمہیں دکھانا ہے کہ کیا تم اپنی ماں کی لاش کے اوپر سے گزر کر رشید سے ملوگی۔ یہ گمان نہ کرنا کہ تمہارا باپ ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ لو اس کا ثبوت۔" یہ کہہ کر عزیز نے تیز چھرے سے عائیشہ کے بازو میں ایک لمبی خراش لگادی۔

"آہ۔!" عائشہ درد سے چلائی خون کا ایک فوارہ اُچھل پڑا۔

"چھوڑ دیجئیے۔ چھوڑ دیجئیے۔ ان کو ڈیڈی۔" سلیمہ نے عزیز پر جھپٹتے ہوئے کہا۔

"ہٹ۔!" عزیز نے ایک زوردار دھکا سلیمہ کو دیا۔ سلیمہ دور جاگری۔ عزیز عائیشہ کو کھینچتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے زبردستی عائیشہ کو ایک کرسی پر بٹھایا اور موٹی رسی سے اس کو کرسی سے باندھ دیا۔ عائیشہ کے زخمی بازو سے خون جھلک رہا تھا۔

"ماں۔" سلیمہ دردناک آواز میں چلائی۔

"بیٹی یہ ظالم جو کچھ کرتا ہے کرنے دو اسے میں اب اس ظالم سے تنگ آچکی ہوں۔ یہ میرا خون کردے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن تم کل جاکر وہی کرنا جو تمہاری چاہت ہے۔ تمہیں رشید کا پیار مل رہا ہے۔ یہی تمہاری سب سے بڑی نعمت ہے۔ دولت پر مت ریجھنا ورنہ ایک دن تمہاری حالت بھی ایسی ہوگی جو آج میری ہورہی ہے۔" عائیشہ نے سلیمہ سے کہا۔

"ڈیڈی یہ مرجائیں گی۔ چھوڑ دیجئے ان کو۔" سلیمہ نے اپنے باپ سے کہا۔

"تم بولو کیا چاہتی ہو۔ اپنی ماں کا خون یا رشید کا پیار۔" عزیز سلیمہ کا آخری فیصلہ سُننا چاہتا تھا۔ سلیمہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔

"بول حرامزادی جواب دے۔" عزیز دھاڑا۔

"ٹھیک ہے کل میں رشید کو بھری محفل میں ٹھکراؤں گی۔" سلیمہ نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ اور عزیز کے نفرت اور انتقام بھرے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چھاگئی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بارھواں باب

رحیم سر جھکائے جمال کے آگے کھڑا تھا اور جمال اس سے کہہ رہا تھا "یاد ہے رحیم میں نے ایک دن تم سے کہا تھا کہ سلام کی جائیداد تم میرے کہنے کے مطابق تقسیم کروگے۔"

"جمال مجھے سب یاد ہے۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کو میری کسی بات پر غصہ بھی آیا تھا میرے ذہن میں آپکا حکم ٹھکرانے کا خیال کبھی نہیں آیا۔ مجھ پر آپکے ہزاروں احسانات ہیں۔ آپ نے میرے لئے بہت کچھ کیا اس لئے کہ میں آپکا غلام ہوں۔ رحیم نے عاجزی سے کہا۔

"تم نے اس جائیداد کے بارے میں اب تک کیا کیا۔" جمال نے براہ راست سوال کیا۔

"جمال میں نے اس دن بھی کہا تھا کہ سلام اور میں جو کاروبار ناجائز طریقے سے چلا رہے تھے میں نے سلام کا حصہ باضابطہ طور پر ثُریا کے نام پر کروایا۔ ثُریا قانونی طور پر سلام کی تمام جائیداد کی مالک بن گئی۔ اس سلسلے میں نے تمام کاغذات تیار بھی کرلئے۔ یہ دیکھ لیجئیے۔ رحیم وہ سارے کاغذات جمال کو دکھانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" جمال نے سرسری طور پر کاغذات دیکھ لئے۔

"اب یہ بتاؤ کہ غیر قانونی دولت کا کیا ہوا۔" جمال نے رحیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"وہ وہ اس کا سارا حساب میرے پاس ہے۔ میں آپ کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں آپ کہئیے تو میں آپ کے قدموں میں وہ ساری دولت ڈال دوں۔"

"نہیں۔ رحیم۔ میرے قدموں میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ آپ یوں کیجیئے کہ مجھے اس کا سارا حساب دکھائیے۔" جمال نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔!" رحیم نے کہا۔

"دکھائیے ابھی۔ اور اسی وقت۔" جمال نے کہا۔

"تھوڑی دیر کے لئے رحیم بوکھلا گیا۔ لیکن پھر جمال کی جلدی دیکھ کر اس نے فوراً بریف کیس کھولا۔ تھوڑی دیر بریف کیس میں مختلف فائلیں ٹٹول کر اس نے ایک فائل باہر نکالی اور اسے جمال کے حوالے کیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال صوفے سے ٹیک لگا کر آرام کے ساتھ اس فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔ رحیم جمال کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔ وہ جمال کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک جمال نے فائل بند کر کے رحیم سے پوچھا۔

"رحیم اس میں سارا حساب درج ہے کیا۔؟"

"جی۔ جی ہاں۔ جمال سب کچھ تو اسی میں ہے۔" رحیم نے کہا۔

"رحیم آج میں نہیں چاہتا کہ پھر تمہارا گریبان پکڑ کر تمہارا گلا گھونٹ دوں۔ تم جانتے ہو رحیم مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔" جمال نے اطمینان سے کہا۔

"جمال۔ وہ۔ وہ میں نے۔ وہ۔" رحیم بوکھلا گیا۔

"وہ میں کچھ نہیں ہے۔ تم دراصل جھوٹ بول رہے ہو۔" جمال دھاڑا۔

"جمال۔ وہ۔ دراصل۔ اس میں ممکن ہے کہ بھول۔ وہ۔" رحیم حواس باختہ ہو گیا۔

"ممکن کیا ہے کیا نہیں میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تم نے اس سونے کے بارے میں کچھ لکھا نہیں ہے جو سلام اور تم نے مل کر بلال کو دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس فائل میں مال آنے جانے میں وقفہ بھی دکھایا گیا ہے جبکہ میں جانتا ہوں کہ سلام اور تم وقفہ کر ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ہر دن کسی نہ کسی ٹرک میں مال یہاں سے جاتا تھا ٹھیک ہے نا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔" جمال نے رحیم سے پوچھا۔

"اوہ۔ میں پھر دیکھتا ہوں۔ شاید کچھ کاغذات بریف کیس میں ہی رہ گئے ہیں۔" رحیم دوبارہ بریف کیس میں مختلف کاغذات الٹنے اور پھیرنے لگا اور چند لمحے یوں ہی کاغذات اوپر نیچے کر کے اس نے کاغذات کا ایک چھوٹا بنڈل نکال لیا۔

"ہاں۔ یہ ہے۔ اس میں وہ ساری تفصیل لکھی ہے۔" رحیم نے یہ کاغذات بھی جمال کے حوالے کئے۔

جمال کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"دیکھو رحیم میں جانتا ہوں کہ تم سلام کا سارا حصہ ہڑپ کرنا چاہتے ہو۔ لیکن میں تمہیں اس لئے ایسا کرنے نہیں دونگا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ثُریا نقصان میں رہے ثُریا نے سلام سے اس لئے شادی کی کیونکہ سلام کے پاس دولت تھی۔ اب اگر سلام کی دولت تم نے ہڑپ لی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو بیچاری ثُریا کا کیا ہوگا۔ اس کے خوابوں اور تمناؤں کا کیا ہوگا۔ اب اس کی تمام عمر کا سہارا یہی دولت ہے اور کچھ نہیں۔" جمال نے رحیم سے کہا۔

"جمال صاحب آپکو ثُریا کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں۔؟ آپ وہ سارا حصّہ خود لیجئے۔ ثُریا کو کیا معلوم کہ اس کے شوہر کا حصّہ میرے پاس ہے۔ ویسے قانونی طریقے سے بھی اسے لاکھوں کی دولت مل رہی ہے۔" رحیم نے بالکل کاروباری بات کی۔

"رحیم تم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس کو صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں۔ بس تم ثُریا کا سارا حصّہ اس کے حوالے کردو۔ آج ہی۔ سمجھے۔" جمال نے رحیم کو حکم دیا۔

"آج ہی۔ وہ۔" رحیم بوکھلا گیا۔

"رحیم میرے غصّے کو آج دعوت مت دو۔ تم نہیں جانتے کہ میں آج کل بہت خوش ہوں۔ میں اپنے خوابوں کو پورا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ کل میرے ہوٹل میں شادی ہوگی سلیمہ اور رشید کی۔ وہ شادی دراصل میری فتح اور جیت کی نشانی ہے۔ کل ثُریا بھی آئے گی اس شادی میں شرکت کرنے کے لئے اور خود دیکھ لے گی کہ ایک کروڑ پتی کی بیٹی دولت کو کس طرح ٹھکرا کر ایک مفلس لڑکے کے ساتھ شادی کرکے محبت کے چراغ روشن کرتی ہے۔ وہ دیکھ لے گی اور سمجھ لے گی کہ محبت کیا ہے۔ محبت کے لئے کیا کیا جاتا ہے۔ کل میں اپنے وجود کو رشید کے روپ میں پیش کرونگا۔ وہ رشید جو مجبور تھا لاچار تھا۔ جس کے پاس دنیا سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اپنی معصومیت کی وجہ سے دنیا کے داؤ پیچ نہیں سمجھتا تھا۔ اسکے پاس ایک طاقت تھی اور اس طاقت کا نام تھا محبت۔ کل رشید کی محبت جیت جائیگی اور دنیا کی تمام طاقتیں جھک جائینگی۔ کل دو معصوم دلوں کا حسین سنگم ہوگا۔ کل پیار کے گیت ہوا میں لہرائیں گے ان لہروں میں میرے خوابوں کے عکس چھلک رہے ہونگے۔" جمال نے اس سے کہا۔

رحیم کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس نے جمال کا یہ جذباتی روپ نہیں دیکھا تھا رحیم ایک کاروباری شخص تھا اور اس نے جمال میں ہمیشہ ایک کامیاب کاروباری کو دیکھا تھا اسی لئے وہ جمال کے اشاروں پر ناچتا رہتا تھا۔ رحیم نے زندگی میں کبھی محبت پیار اور دوسرے خرافات کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر جمال کو کاروباری انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال صاحب۔ ثُریا کل کیا دیکھے گی۔ کیا سمجھے گی۔ وہ سب کچھ سمجھنے اور دیکھنے کی باتیں ہیں۔ اس کے پاس کافی دولت ہے۔ زیادہ دولت حاصل کر کے وہ پریشان ہو جائے گی۔ زیادہ دولت سنبھالنے کے لئے شیر کا کلیجہ چاہئیے۔ ثُریا کے پاس اتنی طاقت کہاں۔ میں ابھی جاکر ثُریا کو اس کے قانونی حصّے کے تمام کاغذات حوالے کر دونگا۔ وہ اپنی جائیداد کی مالک بن کر تمام عمر عیش کریگی۔ لیکن جہاں تک غیر قانونی جائیداد کا تعلق ہے جمال صاحب ہم دونوں مل کر اسے بانٹ سکتے ہیں یہ بھی کروڑوں کی دولت ہے ہم کیوں اس دولت کو غیروں کے حوالے کریں۔" رحیم نے جمال سے کہا۔

"نہیں جو میں کہتا ہوں وہی کرو۔ ورنہ انکار کر دو۔" جمال ایک دم غصے میں چنگاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

وہی دوزخ کی آگ آنکھوں میں جلنے لگی۔ رحیم سمجھ گیا کہ جمال کا فیصلہ وہ کسی طرح بھی بدل نہیں سکتا ہے۔ وہ فوراً جمال سے مخاطب ہوا۔

"جمال صاحب خُدا کے لئے اپنے غصّے کو ٹھنڈا کیجئے۔ میں تو آپ کے حکم کی تعمیل کرنا اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ آپ کا کوئی حکم ٹھکرانے کی جراءت میرے پاس نہیں ہے میں تو صرف ایک حقیر مشورہ دے رہا ہوں۔ آپ تو مالک ہیں۔ اگر آپ مجھے اپنی ساری دولت آگ میں جھونکنے کے لئے کہیں تو میں انکار نہیں کر سکتا۔" رحیم نے جمال سے کہا۔

رحیم کی باتیں سُن کر جمال پھر دوبارہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوبارہ دوڑنے لگی۔

"ہاں تو رحیم میرا وقت برباد کرنے کے بغیر سُن لو۔ تم ابھی اور اس وقت جاؤ۔ ثُریا کے حوالے تمام کاغذات کر دو۔ اسے فوراً اپنا حصّہ دے دو۔" جمال نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے" رحیم نے یہ کہہ کر تمام کاغذات سمیٹ کر بریف کیس میں رکھ لیے۔

"میں ابھی اسی وقت آپ کے حکم کی تعمیل کرلوں گا۔" اس کے ساتھ ہی رحیم وہاں سے جانے لگا۔ رحیم ابھی دروازے سے باہر ہی نکلا تھا کہ جمال نے اسے پکارا۔

رحیم۔ یہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ دعوت نامہ ہے ثُریا کے لئے۔ اس دعوت نامے کو ثُریا کے حوالے کرنا اور کہنا جمال نے اسے کل دعوت پر بلایا ہے کل ہمارے دوست رشید کی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شادی سلیمہ کے ساتھ ہورہی ہے۔ اس خوشی میں ہم نے ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ ثُریا سے کہنا کہ میں کل اس کا انتظار کروں گا۔" جمال نے دعوت نامہ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ رحیم نے خاموشی سے دعوت نامہ لے لیا۔

جمال سوچنے لگا کہ کل کس طرح ثُریا اپنی آنکھوں سے جمال کی کامیابی اور کامرانی کا نظارہ دیکھے گی وہ سوچنے لگا۔ کل رشید اور سلیمہ کی شادی ثُریا کے مُنہ پر ایک طمانچہ ثابت ہوگی۔ کل ثُریا سمجھ جائے گی کہ میری زندگی کا مقصد جرم ہی نہیں بلکہ محبت ہے محبت وہ مجھ کو کہتی تھی کہ میں اپنا راستہ تبدیل کردوں۔ کل وہ یہ سمجھ لے گی کہ میرے راستے کا کوئی موڑ بھی محبت کے مقام سے جاکر ملتا ہے۔ وہ محبت بھرے دلوں کو ملاتا ہے۔ جرم کا دامن میں نے تھام لیا اور رشید کے گلے میں محبت کا ہار پڑا۔ محبت کی جیت کے لئے میرا مجرم رہنا ضروری ہے۔ اگر میں بھی آج سے چھ سال پہلے اسی طرح ایک طاقتور شخص ہوتا تو خضر کھانڈے ثُریا کا سودا سلام کے ساتھ نہیں کرتا۔ سلام کے ہاتھوں میری ماں کا قتل نہیں ہوتا۔ میری اپنی ثُریا مجھے پہچاننے سے انکار نہیں کرتی۔ آج میں مجرم ہوں۔ ایک طاقت ہوں اور ثُریا کے قدموں میں میں نے کروڑوں کی دولت ڈال دی۔ اگر میں نہ ہوتا تو آج ثُریا کے تمام خواب ٹوٹ جاتے۔ اس نے دولت سے شادی کی تھی اور آج رحیم اسے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیتا۔ آج اسے کہا جاتا ہے کہ سلام کے پاس کچھ نہیں تھا۔ ثُریا کو کچلا جاتا۔ اس کے تن کے کپڑے بھی لوگ چھین لیتے۔ ہاتھوں سے روٹی کا نوالہ چھین لیتے۔ آج کی دنیا میں جب تک جرم نہ کیا جائے طاقت کی بلندیوں پر چڑھا نہیں جاسکتا۔ آج ہر کامیابی کے پیچھے جرموں کی ہزاروں داستانیں چھپی ہوئی ہیں۔ آدمی کو جینے کے لئے صرف دو ہی راستے ڈھونڈنے پڑتے ہیں ایک راستہ خالص ایمان اور سچائی کا راستہ ہے۔ اور دوسرا راستہ بے ایمانی دغابازی اور جھوٹ کا راستہ ہے۔ پہلا راستہ آدمی کو جنگل کی تنہائیوں ریگستان کی ویرانیوں اور پہاڑ کی سنسان چوٹیوں کی طرف جاتا ہے جہاں وہ مہاتما بن کر صرف اللہ کی یاد میں تسبیح پھیرتا رہے۔ نہ اسے روٹی کی فکر ہونی چاہیئے نہ پانی کی تلاش۔ بس دل میں ایمان اور سچائی کے چراغ جلاکر وہ خدا کا جلوہ دیکھ سکے گا۔ دوسرا راستہ آدمی کو شہرت، حشمت، شرافت اور دولت کی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں لوگ ان بلندیوں کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اگر دنیا میں جینا تو یہی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راستہ اپنا کر جینا چاہئیے اس مقام پر پہنچ کر آدمی جو چاہتا ہے وہی ہوجاتا ہے ثُریا نے مجھے اس راستے کا پتہ بتا دیا اور میں خود ان راستوں پر چل کر اس منزل پر آپہنچا ہوں۔ جہاں میرے ہاتھ کے اشارے پر قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ میرے پاؤں پر مغرور سر ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ اس دنیا کو میں نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ یہاں قدر ہے ان ہاتھوں کی جو خون کے دریا بہا دیں۔ یہاں ان ہاتھوں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ جو سچائی کی عبادت کے لئے اٹھتے ہیں۔ یہ زمین ان پاؤں کو اپنی سطح پر چلنے کی اجازت دیتی ہے جو مظلوموں کو روندھ کر چلیں ان محتاط قدموں کو جو پھولوں کو بھی مسلنے سے ڈرتے ہوں چلنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ یہاں ان لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے جو خون چوس چوس کر خوبصورت اور نازک بن جاتے ہیں۔ جو ہونٹ بھوک کی شدت سے سوکھ کر خشک ہوجاتے ہیں۔ اس کی بدبو سے لوگ دور بھاگ جاتے ہیں۔ یہاں کسی رئیس آدمی کی باہر نکلی ہوئی توند کو شخصیت کا حصّہ قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ غریب کے لاغر جسم کو بدصورتی کی نشانی کہا جاتا ہے۔ یہ عجیب دنیا ہے۔ یہاں جینے کے عجیب ڈھنگ ہیں تم ہزاروں بے گناہوں کا قتل کراؤ نہیں مہاتما کا خطاب ملے گا۔ تم بزدلوں کی طرح لوگوں کی آزادیوں کا سودا کرلو تمہیں شیر کہا جائیگا۔ تم لوگوں کی آزادی کے لئے اپنی آواز بلند کرلو تمہاری مقبولیت پھانسی کی چوکھٹ پر سجائی جائیگی۔ اس دنیا کے رنگ نرالے ہیں۔ انداز نرالے۔ یہ بستی ہے ریچھوں کی۔ وحشی درندوں کی۔ ان کے درمیان جینا ہے تو تمہیں بھی وحشی بن کر جینا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ تم پر جھپٹیں تمہیں ان کو نوچنا ہوگا۔ یہاں کسی کے آگے رحم کی بھیک مانگنی نہیں چاہیئے۔ لوگ دینا نہیں جانتے۔ ان لوگوں سے اپنا حق چھین کر جیو۔ کمزوری کا مظاہرہ کروگے تو سب تم پر سوار ہوجائیں گے طاقت دکھاؤگے تو تم سب کی لگامیں پکڑ سکتے ہو۔ اپنے ہاتھوں میں ڈور رکھ کر دوسروں کو کٹھ پُتلیوں کی طرح نچانا ہی زندگی ہے۔ ورنہ کوئی تمہیں کٹھ پُتلی بنا کر تمہارا تماشہ بنائے گا۔ یہاں ایک بار جو سر جھکا کر جئیے تو اسے کبھی آگے سر اٹھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ دنیا جوئے کا وہ اڈہ ہے جہاں صرف وہی جواری جیتتا ہے جو دو کو دس بناکر پیش کرنے میں ماہر ہو۔ یہاں ہار کو تسلیم کرنا بیوقوفی کی بات ہے۔ ہار کر بھی تم خود کو فاتح قرار دو۔" جمال سوچ رہا تھا ہزاروں خیالات اس کے ذہن میں آرہے تھے۔ وہ صوفے سے ٹیک لگا کر اپنے ہی خیالوں کی دنیا میں کھوچکا تھا

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جمال صاحب۔ جمال صاحب۔" کوئی اس کے شانے کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

"اوہ کیا بات ہے۔" جمال چونک اُٹھا۔

"وہ عورت باہر کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہے وہ اپنا سر پیٹ رہی ہے اور اپنے بال نوچ رہی ہے۔ وہ فوراً آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" جمال کے سیکریٹری نے اس سے کہا۔

تھوڑی دیر کچھ سوچنے کے بعد جمال نے سیکرٹری سے کہا۔

"ٹھیک ہے فوراً بھیج دو اس کو۔"

چند لمحوں بعد وہ عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

"کون ہو تم جمال نے اس سے پوچھا۔

"شبنم رشید کی بدنصیب ماں!" اس عورت نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ تم شبنم ہو ڈاکٹر جیلانی کی صاحبزادی اور وقار احمد کی بیوی۔ ہاں بہت کچھ سُنا ہے تمہارے بارے میں۔" جمال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جمال صاحب۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ میرا ماضی بہت گندا ہے۔ میں نے ۲۴ سال پہلے جو گناہ کئے ہیں ان کی سزا مجھے آج مل رہی ہے۔ میں گنہگار ایک ایسی بدنصیب ماں ہوں جن کے کان ماں کا لفظ سُننے کے لئے ترس رہے ہیں۔ اپنے گناہوں کا ایک ڈھیر رہوں ایک بیکس اور لاچار عورت جس کو اپنا بیٹا بھی ماں نہیں کہہ سکتا۔ میں نے جس اولاد کو کبھی قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا آج میں اسی اولاد کے لئے ترس رہی ہوں۔ مجھے خدا نے سب کچھ دیا ہے دولت شہرت اور عزت لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ دکھاوا ہے۔ اصل میں زندگی مجھ پر ایک بوجھ بنی ہوئی ہے۔ میرا وجود اندر سے کھوکھلا ہے۔ میں اندر سے سڑ رہی ہوں جب مجھے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا رشید زندہ ہے تو میں دنیا کی پرواہ کئے بغیر اسے اپنا بیٹا کہا۔ میرے شوہر نے مجھے طلاق دینے کی دھمکی دی۔ خاندان اور موت کے واسطے دیئے گئے لیکن میں آج اپنے وجود کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ آج میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔ آج میں اپنے خون کو اپنا کہنا چاہتی ہوں میں رشید کے مُنہ سے ماں کا لفظ سُننا چاہتی ہوں۔ جمال صاحب آپ میری زندگی میں ایک فرشتہ بن کر آگئے۔ آپ کی وجہ سے مجھے اپنے بیٹے کے زندہ ہونے کا علم ہوگیا اب میں آپ کے آگے دامن پھیلاکر بھیک مانگ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر شبنم جمال کے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاؤں میں گر گئی۔

جمال نے فوراً جھکی ہوئی شبنم کا سر اوپر اٹھالیا۔

"نہیں آپ ایسا مت کیجئے۔ آپ بولیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں" جمال نے شبنم سے پوچھا۔

"رشید مجھ سے نفرت کرتا ہے آپ اس کی نفرت محبت میں بدل دیجئے۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ آپ کی بات نہیں ٹال سکتا۔" شبنم نے جمال سے کہا۔

"میں کون ہوتا ہوں نفرت کو محبت میں تبدیل کرنے والا۔؟ میں کون ہوتا ہوں بیٹے کو ماں سے ملانے والا۔؟" آپ نے جن حالات میں رشید کو جنم دیا ان سے آپ خود واقف ہیں۔ جہاں تک رشید کا تعلق ہے وہ ان لوگوں کو اپنے حقیقی والدین کا درجہ دے رہا ہے جنھوں نے انہیں پالا۔ آپکے بارے میں اس کے جو خیالات ہیں ان کو بدلنے والا میں کوئی نہیں ہوں۔" جمال نے صاف صاف لفظوں میں شبنم سے کہا۔

"ہاں ہاں میں جانتی ہوں کہ میں نے جن لوگوں کو اس معصوم جان کی لاش کو گندی نالی میں پھینکنے کے لئے دی تھی انہی لوگوں نے اس کو نئی زندگی دی۔ اسے پیار دیا۔ میں ایک قاتل ہوں۔ میں چیخ چیخ کر اعلان کرتی ہوں کہ میرے گناہ قابل معافی نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی میری ایک خواہش ہے۔ ایک گنہگار کی تمنا۔ اگر میری تمنا پوری ہوجائے تو جمال صاحب میں چین سے مرسکوں گی۔ میں جنم کے شعلوں میں سکون کے ساتھ جل سکوں گی۔ میری روح آوارہ بھٹکتی نہیں رہیگی۔" شبنم نے جمال سے کہا۔

"کون سی تمنا ہے آپکی۔؟" جمال نے پوچھا۔

"بس رشید ایک بار مجھے ماں کہے۔ باقی جو بھی سزا رشید میرے لئے تجویز کرے میں خوشی سے وہ سزا قبول کرلوں گی۔" شبنم نے جمال سے کہا۔

"دیکھئیے شبنم جی۔ آپ عمر کے لحاظ سے میری ماں کے برابر ہیں۔ لیکن میرے دل میں آپ کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ہاں نہ مجھے آپ سے کسی قسم کی شکایت ہے۔ جو گناہ آپ نے کیا آپ کی سوسائٹی میں یہ گناہ عام ہے۔ آپ کا کردار آپ کی سوسائٹی کے مطابق بنتا اور بگڑتا ہے۔ اسی کردار میں اپنے آپ کو ڈھال کر ایک شخص ایسے کام کرتا ہے۔ جس کے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نتیجے اسے چاروں طرف جکڑ لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ شخص ایک مکڑی کی طرح اپنے ہی بنے ہوئے جال میں پھنس جاتا ہے۔ وہ چیخ اٹھتا ہے۔ کراہ اٹھتا ہے اپنے کردار کو کوسنے لگتا ہے۔ یہ ہر شخص کی فطرت ہے کہ مصیبت میں خود کو پاکر وہ ان کو کوستا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ آج آپ کو بھی اپنے ہی کردار نے اس منزل تک پہونچایا جہاں آپ خود کو ایک قاتلہ اور گنہگار تسلیم کر رہی ہیں۔ آج نہ آپ کو اپنی عزت کا خیال ہے نہ اپنی کھوکھلی ٹھاٹھ باٹ کی پرواہ۔ آج آپ سرِ عام چلا چلا کر حرام کی اولاد کو اپنا کہہ رہی ہیں۔ آج رشید کی بات کو ایک جھوٹی کہانی کہہ کر ٹھکرانے کی جراءت نہیں کر سکتی ہیں کیونکہ ۲۴ سال آپ ایک انجانے بوجھ تلے دب کر اپنے گناہوں پر پچھتاتی رہی۔ آج آپ دوبارہ جھوٹ بول کر اپنی عزت اور شان بچانے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ آج آپ سچ مچ ماں کا لفظ سُننے کے لئے ترس رہی ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اس سلسلے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔" جمال نے صاف لفظوں میں شبنم سے کہا۔

"جمال آپ جو کچھ کر رہے ہیں مجھے ہر چیز سے اتفاق ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔ ایک ماں کے ناطے۔ جمال صاحب۔" شبنم یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ٹھیک ہے شبنم صاحبہ۔ کل رشید کی شادی سلیمہ کے ساتھ ہو رہی ہے یہ شادی میرے ہی ہوٹل میں ہو رہی ہے۔ کل آپکو میری دعوت ہے آپ خود اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کی شادی دیکھ کر خوش ہو جائینگی۔" جمال نے اس سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جمال صاحب بہت شکریہ۔ شبنم خوشی کے عالم میں جھوم اٹھی۔ پھر اچانک شبنم کو کچھ خیال آگیا۔

"جمال صاحب۔ لیکن رشید نے کہا ہے کہ میں اس کی شادی میں نہ آؤں۔" شبنم نے جمال سے کہا۔

جمال تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے شبنم سے کہا۔

"شبنم صاحبہ آپ یوں کریں کہ سلیمہ کے گھر جائیں اور پھر جب سلیمہ کے ماں باپ اسے ہوٹل پر لے آئیں آپ بھی ان کے ساتھ آجائیں۔ میں رشید کو منا لوں گا مجھے یقین ہے کہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میری درخواست پر رشید آپ کی موجودگی قبول کرلے گا۔ آپ اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کی شادی دیکھ سکیں گی۔ پھر وہ کبھی آپ کو ماں کہے یا نہیں میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔ جمال نے شبنم سے کہا۔

شبنم کے چہرے پر خوشی کی لکیریں اُبھریں۔

"جمال آپ عظیم ہیں۔" شبنم نے خوشی کے عالم میں کہا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیرھواں باب

جمال کے ہوٹل میں آج غیر معمولی چہل پہل تھی۔ ہوٹل کی بڑی بلڈنگ کو رنگ برنگے قمقموں اور روشن میناروں سے سجایا گیا تھا۔ ہوٹل کی عمارت آج ایک دُلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ جھیل ڈل کی حسین لہریں اس حسین و جمیل دُلہن کو اپنی مست لہروں میں دبوچنا چاہتی تھیں۔ آج چاروں طرف رونق اور خوشی کا عالم تھا مہمان جوق در جوق آرہے تھے ان میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے غریب بھی متوسط طبقے کے لوگ بھی۔ شریف لوگ بھی اور شرافت کا لبادہ اوڑھے غلیظ لوگ بھی بڑے بڑے رئیس اور سرمایہ دار اپنے جاہ جلال کا مظاہرہ کرنے آئے تھے اور کچھ لوگ جن پر جمال کے ہزاروں احسانات تھے اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے آئے تھے۔

آج رشید اور سلیمہ کی شادی ہونے والی تھی۔ ایک ایسی شادی جو کبھی ناممکن بات تھی لیکن جس کو جمال نے ممکن بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ رشید میں جمال اپنے ماضی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ایسے جمال کو دیکھ رہا تھا جو بے سہارا تھا۔ بے یارو مددگار تھا۔ جس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ جس کے پاس کچھ نہ ہونے کے باوجود محبت کا بیش قیمت سرمایہ تھا۔ وہ جمال مرچکا تھا لیکن آج جمال اس ماضی کے جمال کو رشید کی ذات میں دیکھ رہا تھا۔

جمال نے دیکھ لیا کہ رشید کو دنیاوی جاہ جلال کا کوئی لالچ نہ تھا۔ رشید روح اور دل کی گہرائیوں میں چھپی سچی روشنی کی طرف لپک رہا تھا۔ رشید محبت کی پرستش کررہا تھا اسے حقیقی عشق مل رہا تھا۔ جمال رشید کو دیکھ کر کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا تھا کہ رشید کی محبت میں زیادہ طاقت ہے۔ رشید کی محبت سونے اور چاندی کی ہی دیواروں کو چیر کر گزر رہی تھی۔ ایک لڑکی اس محبت کے نشے میں ڈوب کر دولت کو ٹھکرا کر رشید کو اپنا رہی تھی۔ وہ رشید کی محبت کے سائے تلے جینا چاہتی تھی اسے اس بات کا کوئی غم نہیں تھا کہ رشید اسے پیٹ بھر کھانا دینے کے قابل بھی ہے کہ نہیں۔ اس کو تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے ملیں گے بھی کہ نہیں وہ اس بارے میں کچھ سوچتی بھی نہیں تھی۔ وہ بس محبت کے اس ضابطے کو دیکھ رہی تھی جس میں سچائی اور معصومیت کے ہیرے چمک رہے تھے۔ سلیمہ نے اس چمک کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمال سوچ رہا تھا کہ اس کی محبت شاید کمزور تھی وہ محبت ثُریا کو اپنی طرف کھینچ نہ سکی۔ ثُریا بہت دور چلی گئی سونے اور چاندی کی دیواروں کے پیچھے یہی فرق تھا رشید اور جمال کی محبت میں جمال کی محبت ہار گئی اور رشید کی محبت جیت گئی۔ جمال اس فتح کا جشن منا کر اس شکست کا زخم سینا چاہتا تھا۔ جو اسے ثُریا نے دیا تھا۔ ایک ایسا زخم جو اپنا مُنہ کھولے سب کو ننگل رہا تھا۔ جس کے خونخوار جبڑے دوسروں کو نوچتے اور کاٹتے رہتے تھے۔

جمال نے پھر کبھی ثُریا کی محبت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اسے صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ اس آگ کی تپش ثُریا تک پہنچائے۔ جس میں وہ خود جل رہا تھا۔ وہ ثُریا کو بھی تڑپتا دیکھنا چاہتا تھا۔

جمال نے جب ثُریا کے شوہر کا قتل کیا تو اسے خیال تھا کہ اسے چین ملے گا لیکن اسے چین نہیں مل سکا۔ وہی آگ اسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔ ناکامی کی آگ۔ جمال نے اس ناکامی کی آگ کو بجھانے کے لئے بہت کوشش کی لیکن وہ آگ کبھی بجھ نہ سکی۔ وہ جلتا ہی رہا۔

آج رشید اور سلیمہ کی شادی کر کے جمال چین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سکون حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چند لمحوں کے لئے اس آگ کو بجھانا چاہتا تھا جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ آج جمال نے ثُریا کو بھی اس شادی پر مدعو کیا تاکہ ثُریا خود دیکھے کہ جمال نے دو محبت بھرے دلوں کو ملانے کے لئے کیسا کردار ادا کیا۔

جمال کو معلوم تھا کہ جب ثُریا دیکھ لے گی کہ کس طرح سلیمہ نے کروڑوں کی جائیداد ٹھکرا کر ایک غریب اور لاچار لڑکے کی بانہوں میں پناہ لی تو اس کا سر شرم سے جھک جائے گا۔ ثُریا نے جمال کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا اپنے پچھتاوے کا اظہار کیا تھا لیکن آج جمال دوبارہ ثُریا کے چہرے پر پشیمانی اور ندامت کی لکیریں اُبھرتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ جمال جانتا تھا کہ سلیمہ اور رشید کی شادی ثُریا کے وجود پر ایک طمانچہ ثابت ہوگی۔ وہ اس حسین سنگم کو دیکھ لیگی جب محبت فتح کے جھنڈے گاڑ کر اپنی عظمت کا اعلان کریگی۔ جب دولت حشمت جاہ جلال سب جھک کر سلیمہ اور رشید کو مبارک باد پیش کریں گے۔ جمال اس وقت مسکرائے گا قہقہے لگائے گا۔

مہمان جوق در جوق آرہے تھے۔ جمال ہر مہمان کا استقبال گرم جوشی سے کر رہا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ارے کوئی ہے!" رحمان نے تالی بجاکر پکارا۔

پانچ دس بہرے اس کے قریب آکر کہنے لگے۔ کیا حکم ہے صاحب؟"

"دُلہا میاں کو تیار کرلو۔ اب دُلہن آنے والی ہوگی۔" جمال نے ان سے کہا تھوڑی دیر کے بعد رشید کو بنا سنوار کر ہوٹل کے بڑے وسیع شاندار ہال میں لایا گیا۔

"جمال نے رشید کے سراپا پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ رشید دولہا کے لباس میں جچ رہا تھا۔ اس کا مردانہ حُسن نکھر آیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے جمال کو خود اپنا سراپا رشید میں چمکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

رشید جمال کے قریب آکر کہنے لگا۔ "جمال صاحب۔ آپ یہ جو سب کچھ میرے لئے کر رہے ہیں اس کا بدلہ میں کبھی چکا نہیں سکوں گا۔"

"رشید ایسی باتیں نہیں کہتے۔ جمال نے فوراً رشید کو چپ کردیا۔

"آج تمہاری شادی ہورہی ہے۔ آج کا دن تمہارا ہے آج تم احسان چکانے کی باتیں مت کرو۔ آج تمہاری فتح اور شادمانی کا دن ہے۔ میں تو بس تمہاری فتح میں شریک ہوکر خوش ہو رہا ہوں۔" جمال نے اس سے کہا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ عزیز آج اپنی بیٹی سلیمہ کو یہاں لائے گا۔؟" رشید نے جمال سے پوچھا۔

"ہا۔ہا۔ہا۔" جمال کے مُنہ سے ایک بھرپور قہقہہ نکلا۔ وہ رشید سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ "رشید گھبراؤ مت۔ تمہاری دُلہن ابھی آئے گی عزیز نے مجھے صبح ہی فون پر کہا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں آئے گا اور وہی کرے گا جو اس کی بیٹی کی مرضی ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ اس پارٹی میں عزیز کے تمام ساتھی پہلے ہی آچکے ہیں۔؟ تم فکر مت کرو وہ سب آنے والے ہونگے۔ ابھی چند لمحوں میں تمہاری دُلہن آجائے گی۔" جمال نے رشید کو تسلی دی۔

رشید جمال کی باتیں سُن کر خاموش ہوگیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ آج اس کی اور سلیمہ کی شادی ہوگی۔ جمال کی طاقت نے اسے اس مقام تک پہنچایا تھا جہاں وہ ایک دولہا بنا اپنی سلیمہ کا انتظار کررہا تھا۔ جمال نے اس کی شادی کو ایک نیا موڑ دیا۔ آج ایک ایسا باپ جو رشید کے نام سے نفرت کرتا تھا۔ خود اپنے گھر سے اپنی بیٹی کو اُٹھا کر رشید کے پاس لانے والا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رشید ٹکٹکی باندھے بڑے دروازے کی طرف دیکھ کر اپنی دُلہن کا انتظار کر رہا تھا۔

جمال کو سلیمہ کے آنے کا پورا یقین تھا لیکن وہ چاروں طرف متلاشی نظروں سے ثُریا کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ثُریا کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"کیوں نہیں آئی ثُریا؟" جمال سوچنے لگا۔

"اس لئے نہیں آئی کیونکہ وہ میری فتح کو تسلیم نہیں کرنا چاہتی۔ وہ محبت کی جیت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ دولت کی ہار کو قبول نہیں کر سکتی۔ وہ آج بھی سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور وہ محبت کی آزاد فضا میں پرواز کے لائق نہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ محبت کی اس پرکیف فضا میں دو معصوم دل ایک دوسرے کے ساتھ کیسے ملتے ہیں۔ وہ ایک ایسی شادی میں شریک ہونے کے لئے کیسے آسکتی ہے۔ جس شادی میں جمال کی خوشی کا راز موجود ہو۔ وہ تو ہمیشہ مجھے دکھ دینا چاہتی ہے۔ مجھے تڑپتا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ اس نے ہمیشہ وہی راہ اختیار کی جو میری منزل سے بہت دور جاتی ہو جب جمال مسکراتا ہے تو ثُریا روتی ہے جب جمال روتا ہے تو ثُریا مسکراتی ہے۔ ثُریا کو محبت ہے جمال کے اندر کی آگ سے وہ اس آگ کو اس وقت تک سلگتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہے۔ جب تک جمال بھسم ہو کر راکھ ہو جائے۔ وہ دراصل مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ بے حد نفرت۔ اس نفرت کی وجہ سے اس نے مجھے ہر بار ٹھکرا دیا۔ ہر بار مجھے بے عزت کر دیا۔ آج جب میں ثُریا کو یہاں لاکر اپنی فتح کا تماشہ دکھانا چاہتا تھا تو وہ یہ تماشہ دیکھنے نہیں آئی۔ اس لئے نہیں آئی کیونکہ وہ میرے چہرے کی ہر مسکراہٹ سے نفرت کرتی ہے۔" جمال خود اپنے سوال کا جواب دے رہا تھا۔

اچانک ہوٹل کے چند ملازم باہر برآمدے سے دوڑتے دوڑتے اندر ہال میں داخل ہوئے۔ وہ سب ہانپ رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔؟" جمال کی گرجدار آواز گونجی۔

"وہ آگئے۔" انہوں نے جمال سے کہا۔

"کون۔؟" جمال نے سوال کیا۔

"دُلہن اور اُس کا باپ۔!" انہوں نے جواب دیا۔

"اوہ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔" جمال خوشی کے عالم میں جھوم اٹھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوراً ہوٹل کے کونے کونے میں مبارک باد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ساز بجنے لگے اور گانے کی مدھر آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔

رشید کا چہرہ بھی جوش و مسرت سے تمتمانے لگا۔

عزیز احمد اور اس کی بیٹی سلیمہ ہال میں داخل ہوئے۔

"مبارک ہو۔!" جمال نے آگے بڑھکر گرم جوشی کے ساتھ عزیز احمد کا استقبال کیا۔ عزیز احمد کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی۔ سلیمہ دُلہن کی طرح سجی ہوئی نہ تھی بلکہ اس نے عروسی جوڑے کے بدلے معمولی کپڑے پہن رکھے تھے۔ نہ اسکے گلے میں زیور تھے نہ ہاتھوں میں مہندی۔ اس کی آنکھوں کے اردگرد کالے حلقے پڑے ہوئے تھے اور چہرہ بھی اُجڑا اُجڑا نظر آرہا تھا۔ اسکے چہرے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

جمال کی تیز نظروں نے فوراً سلیمہ کی حالت کو بھانپ لیا۔

"کیا بات ہے سلیمہ۔؟ کیا عزیز احمد نے تمہیں اچھے کپڑے نہیں دیئے؟ اچھے زیورات نہیں دیئے۔؟ ایسی حالت میں کیوں آئی ہو۔ جیسے کہ تمہیں شادی کی خوشی کا کوئی احساس نہیں۔؟" جمال نے ایک ساتھ کئی سوالات پوچھے۔ سلیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں ہر چیز کا انتظام کرتا ہوں۔" جمال نے سلیمہ سے کہا یہ کہہ کر جمال نے قریب ہی کھڑے ایک نوکر کے کان میں کچھ کہا۔ تھوڑی دیر بعد چند عورتیں اس نوکر کے ساتھ آگئیں۔

"اس لڑکی کو فوراً سجاؤ اور سنوارو۔ اس کو دُلہن بناؤ۔ ایک ایسی دُلہن۔ جس کو سب دیکھتے رہ جائیں۔" جمال نے ان عورتوں کو حکم دیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔" ان عورتوں نے سر جھکا کر کہا۔

"ہاں تم ادھر آجاؤ۔" جمال نے پاس ہی کھڑے اپنے ایک کاروباری منیجر کو بلایا۔

"منیجر صاحب۔ لاکر سے چند سونے کے سیٹ نکال کر ان عورتوں کو دے دو۔ یہ سلیمہ کو دُلہن بنائیں گی۔" جمال نے ان سے کہا۔

"سلیمہ جی میں تمہارا بھائی ہوں اس لئے جو کچھ تمہارے لئے کر رہا ہوں اسی رشتے کے ناطے کر رہا ہوں۔ یہ تمہاری ہی تمنا تھی کہ تمہاری شادی رشید کے ساتھ ہوجائے اور میں تمہاری

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تمنا پوری ہوتے دیکھ کر اپنے دل کی خوشیوں کے خزانے سے بھرنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے تم ایک ایسی لڑکی ہو جو قابل تعظیم ہے قابل عزت ہے۔ تم آج دولت کو ٹھکرا کر محبت کی طرف جارہی ہو۔ یہ تمہاری بڑائی کا ثبوت ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم اس لئے دُلہن کا لباس پہن کر نہیں آئی۔ اس لئے سونے اور چاندی کے گہنے لگا کر نہیں آئی کیونکہ تم نے ایک سیدھی سادھی زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے اور تم دنیاوی چمک دمک کی عبادت نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن میں اس لئے تم کو دلہن کے لباس میں سنور کر دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ آج میں رشید اور تمہاری شادی دھوم دھام سے کرکے اپنی ایک خاص تمنا پوری کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے اس لئے درخواست کرتا ہوں کہ صرف میری خوشیوں کے لئے آپ ان عورتوں کے ساتھ جائیے۔ یہ آپ کو دُلہن کے لباس میں سجائیں گی۔ سنواریں گی۔ اس کے بعد دونوں کے نکاح ہونگے۔ پھر آپ دونوں کا یہ ملن مذہب بن جائے گا۔" جمال نے سلیمہ سے کہا۔

سلیمہ سر جھکائے جمال کی ساری باتیں سُن رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً ان عورتوں کے ساتھ جاکر دُلہن بن جائے۔ رشید کی دُلہن ایک ایسی تمنا جس کے لئے وہ جی رہی تھی۔ جس کے لئے وہ تڑپ رہی تھی۔ آج صرف آج اسے اپنی تمنا پوری کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ورنہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا پھر کوئی اس کی مدد کرنے لئے نہیں آئے گا۔ پھر تو رشید بھی مُنہ پھیر کر اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ وہ زندہ درگور ہوجائے گی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ ان عورتوں کے ساتھ اٹھنے لگے جو اسے دُلہن بنانے کے لئے لے جارہی تھیں۔

"تمہاری ماں ابھی گھر پر ہے۔" عزیز کی آواز سانپ کی طرح پھنکاری۔

"یہ آج تمہاری عزت کا سوال ہے۔ میں کسی بھی قیمت پر جمال کو شکست دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر ہار گیا تو تمہاری ماں کو مارتے وقت مجھے کسی قسم کا افسوس نہیں ہوگا۔" عزیز کی آواز اس کے ذہن میں گونجنے لگی۔ عزیز نے جب بے رحمی کے ساتھ اس کی ماں کے بازو میں چاقو سے گہرا خراش دیا تو اس کی ماں چیخی تھی۔ ماں کی وہی چیخیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔

"نہیں۔! نہیں!" سلیمہ اپنے دونوں کانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر چیخی۔

"میں یہ شادی نہیں کرسکتی۔ نہیں کرسکتی۔ سلیمہ نیچے فرش پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"کیا؟" سب لوگ چونک اُٹھے۔

"کیا۔؟" جمال دہل اُٹھا۔

"سلیمہ۔؟" رشید سراپا ایک سوال بن گیا۔

"شادی نہیں کرے گی۔" سب مہمان آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ میں شادی نہیں کر سکتی۔" سلیمہ کی آواز میں رونے کی آوازیں بھی تھیں۔

"کیوں آخر کیوں۔؟" تم اس شادی کے لئے تڑپ رہی تھیں تم نے رشید کو خواجہ طاروقی کے پاس لے جانے پر مجبور کیا تھا۔ تم نے محبت کے نام پر رشید کے راستے تبدیل کر دیئے۔ پھر آج کیا ہوگیا تمہیں۔؟ آج کونسی ایسی طوالت ہے جس نے تم کو اچانک بدل دیا۔؟" جمال سلیمہ سے پوچھنے لگا۔

جمال صاحب۔ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن میری بیٹی کو شادی کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔" عزیز نے تنک لہجے میں جمال سے کہا۔

ہاں۔ میں ایک عورت کو کبھی مجبور نہیں کر سکتا۔ اس دنیا کی ہر عورت ثُریا ہے۔" جمال کے چہرے پر نفرت کی لکیریں اُبھریں۔

"رشید۔!" جمال نے رشید کو پکارا۔

رشید اپنے گلے سے پھولوں کا ہار باہر نکالتے ہوئے دوڑتا ہوا جمال کے پاس پہنچا۔ جمال رشید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"دیکھو لڑکے۔ عورت کا ایک حقیقی روپ دیکھو۔" جمال اپنی انگلی کو سلیمہ کی طرف اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔" رشید تم آج پہلی بار ایک عورت کے چہرے سے محبت کا لبادہ اتارتے ہوئے دیکھ رہے ہو جبکہ میں پہلے ہی اس عورت کا حقیقی روپ دیکھ چکا ہوں مجھے اس ذات سے پہلے ہی نفرت ہوچکی تھی۔ لالچ کا دوسرا نام ہے عورت۔ عورت کے مُنہ سے نکلا ہی محبت کا ہر لفظ جھوٹا ہے وقت کا ایک تقاضہ ہے۔ جب ایک عورت مرد کو اپنے مطلب کی شے سمجھتی ہے تو اس شے کو حاصل کرنے کے لئے محبت کے خوبصورت الفاظ سے ایک جال بنتی ہے۔ اس جال میں مرد کو قید کر کے اس کا سب کچھ لوٹ لیتی ہے۔ اس کا جگر بھون کر کھانے سے

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہیں ہچکچاتی ہے۔ ناگن صرف مارنے کے لئے ڈستی ہے۔ لیکن عورت عمر بھر تڑپانے کے لئے مرد کی زندگی میں زہر گھول دیتی ہے۔ اس کے دل میں رحم نہیں انصاف نہیں۔ عورت کے آنسوؤں میں کبھی نہیں بہتا اگر بہہ گئے تو ناکامی کی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے ڈوب جاؤ گے۔ عورت کی محبت بھری باتوں کی طرف کبھی دھیان نہیں دینا یہ مرد کے گرد ایک سنہری جال پرونے کے خوبصورت دھاگے ہیں۔ عورت تو صرف تلاش ہے اپنے آرام کی۔ جو اس عورت کو عیش و آرام دے۔ یہ عورت اسی کی ہے تم اپنے دل کی معصوم محبت کی گہرائیوں میں عورت کو چھپانے کی لاکھ کوشش کرو لیکن ہر بار ان کی گہرائیوں سے نکل کر سونے اور چاندی کے حامل کی طرف لپکے گی۔

رشید میں نے اس عورت کا روپ بہت پہلے دیکھا تھا۔ لیکن میں اس عورت کا اصلی روپ دیکھ کر ٹوٹ نہیں گیا۔ بکھر نہیں گیا۔ بلکہ میں نے اس عورت کو جھکانے کا فیصلہ کیا۔ میں کامیاب ہوا رشید وہی عورت جو کبھی مجھے ٹھکرا کر شاندار حویلیوں کے ایوانوں میں چلی گئی تھی۔ پھر میری چوکھٹ پر آکر گڑگڑانے لگی۔ اور رشید جانتے ہو میں نے اس عورت کے ساتھ کیا کیا۔ میں اسے اسی طرح ٹھکرایا جس طرح کبھی اس نے مجھے ٹھکرایا تھا۔ آج بھری محفل میں بھی تمہیں ایک لڑکی اس لئے ٹھکرا رہی ہے کیونکہ تم غریب ہو۔ ایسا ہر دفعہ ہوا ہے اور ہر وقت مرد اپنے آپ کو غریب سمجھ کر اس شکست کو خاموشی سے برداشت کیا۔ لیکن آج ایسا نہیں ہوگا رشید۔ آج میں تم جمال کو روپ دھار کر اس شکست کا بدلہ لوگے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ رشید۔ میں۔ ہاں میں۔ تم کل میری طرح ہاتھ کے اشاروں پر ایسی سزاروں لڑکیوں کو اپنے سامنے موجود موم کی گڑیوں کی طرح نچواؤ گے۔" جمال کی آواز گونج رہی تھی۔

ہوٹل میں سب لوگ خاموشی سے جمال کی باتیں سُن رہے تھے۔ سلیمہ کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہو رہی تھی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو جمال سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ جمال کا نظریہ ہر عورت کو اپنے زمرے میں لا نہیں سکتا۔ وہ جمال کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ اب تک محبت کی ایک جیتی جاگتی نشانی تھی لیکن وہ یہ نہیں برداشت کر سکتی کہ اس کی محبت کا جھنڈا ماں کی لاش کے اوپر لہرایا جائے۔ وہ رشید کے گلے میں وہ ہار پہنا نہیں سکتی جس کے پھول اس کی ماں کے خون سے لال کئے جائیں۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محفل میں رشید کو اپنانے کا اظہار کیا تو اس کا ظالم باپ اس کی ماں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قتل کردے گا۔ اسنے باپ کی آنکھوں میں خون دیکھ لیا تھا۔ اس کا باپ آج اپنی بات منوانے کے لئے پھانسی کے تختے پر بھی چڑھنے کے لئے تیار تھا اور سلیمہ نے اپنے باپ کا یہ روپ واضح طور پر پہچان لیا تھا۔ اس لئے وہ سر جھکائے جمال کی باتیں سُن رہی تھی۔ جمال کہہ رہا تھا۔

"آج کی محفل برخاست نہیں ہوگی۔ سلیمہ کے کہنے سے یہ روشنی بجھے گی نہیں۔ یہ گانے بند نہیں ہونگے۔ یہ ساز خاموش نہیں ہوجائے گا۔ یہ سب کچھ جاری رہیگا۔ یہ محفل جاری رہے گی۔ لیکن اس کا نام بدل دیا جائے گا پہلے یہ محفل اس خوشی میں بلائی گئی تھی کہ ایک عورت محبت کے نام پر دولت کو ٹھکرا رہی تھی۔ اب یہ محفل اس خوشی میں منائی جائے گی کہ محبت نے عورت کو ٹھکرادیا۔"

رشید آہستہ آہستہ بڑھ کر سلیمہ کے نزدیک پہونچا۔ سلیمہ سر جھکائے رشید کو آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"سلیمہ۔!" رشید نے اسے پکارا۔ سلیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"سلیمہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ کوئی شکوہ نہیں۔ میں نے پہلے بھی ہزاروں دفعہ تم سے یہی کہا تھا کہ تم مجھے اپنا کر زندگی کی ایک بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔ میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ اس طرح تم غربت کی چار دیواری میں مقید ہوکر سڑ جاؤگی۔ شکر ہے کہ تم نے وہی کیا جو تمہیں کرنا چاہئیے تھا۔ سلیمہ تم نے میری زندگی میں جو محبت کے چراغ روشن کئے۔ اب وہی میری زندگی کی تقدیر بن چکے ہیں۔ مجھے اس بات کا کوئی دکھ نہیں کہ ان چراغوں نے میرے گھر کو جلا کر بھسم کردیا۔ میں راکھ بنکر بھی جیوں گا اور میرے جینے کی کہانی کا عنوان ہوگا تمہاری محبت۔ میں تم سے کبھی نفرت نہیں کرسکتا کبھی نہیں۔ کیونکہ تم پہلی اور آخری عورت ہو جس نے مجھے محبت کے نام سے آشنا کیا۔ جس نے میرے دل کی دھڑکنوں کی تال پر محبت کے مُدّے چھیڑ کر میری روح میں ایک مٹھاس گھول دی۔ میں جانتا تھا کہ اس کے بدلے میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ میرے پاس اس محبت کی مٹھاس کے سوا کچھ نہیں دے سکتا تھا تھا اور یہ مٹھاس تمہاری زندگی کے لئے ایک زہر تھی۔ تمہارے حُسن کو سنوارنے کے لئے سونے اور جواہرات کے گہنوں کی ضرورت تھی تم ایک شہزادی ہو اور میری خالی محبت کی پناہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گاہیں تمہارے محل نہیں بن سکتے تھے سلیمہ آج تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں واقعی آج کے بعد زندگی میں ایک تنہائی محسوس کروں گا۔ اندھیری سنسان راہوں میں بھٹکتا رہوں گا۔ لیکن میرے لبوں پر ہمیشہ تمہاری محبت کے ترانے ہونگے۔ جو محبت کا گلستان تم نے میرے دل میں سنوارا ہے اس کی مہک ہمیشہ تمہارے گرد ہی ناچتی رہے گی۔

بس تم خوش رہو۔ سلیمہ میں آج خود تمہارے راستے سے ہٹ رہا ہوں میں پھر کبھی تمہاری زندگی میں نہیں آؤں گا۔ کبھی نہیں۔" رشید کی آواز یہ کہتے کہتے بھرا گئی اور آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔

آنسوؤں کی ایک موٹی دھار سلیمہ کی آنکھوں سے ابھر کر اس کے رخسار پر موتیوں کی طرح جھلملانے لگی۔ وہ رو رہی تھی۔

"جمال آج میں اس لئے سلیمہ کو ساتھ لایا تاکہ یہ ثابت کر سکوں کہ میری بیٹی ایک نیچ آوارہ غریب اور حرامی لڑکے کے ساتھ محبت نہیں کرتی۔ میں یہ ثابت کرنے آیا کہ میرے خاندان پر جو کیچڑ تم نے خواجہ طاروقی کے گھر میں اچھالی وہ دراصل تمہارے چہرے کی اپنی کیچڑ ہے۔ تم نے کبھی عزیز کی عزت کی دھجیاں اڑانے کی کوشش کی تھی اور آج تمہاری ہی اس محفل میں ثابت ہوگیا کہ عزت کس کے پاس ہے اور کس کے پاس نہیں۔ سلیمہ میری بیٹی ہے اور وہ وہی کرے گی جو میں چاہوں گا۔ وہ میری عزت کو کبھی نیلام پر نہیں چڑھا سکتی۔ وہ اپنی قسمت ایک حرام کی اولاد کے ساتھ منسلک کر کے میری شرافت اور وقار کو داغدار نہیں بنا سکتی۔ میں یہ ثابت کرنے آیا ہوں کہ تم ایک ایسے بلیک میلر غنڈے ہو جو اپنی من مانی جتا کر خود کو شہنشاہ سمجھتے ہو لیکن آج تمہاری ہی محفل میں سب نے تمہیں بھکاری کے اصلی روپ میں دیکھ لیا جس کو میں اور میری بیٹی کچھ نہ دے سکے۔ مجھے یقین ہے جمال کہ آج کے بعد تم سنبھل جاؤ گے۔ آج کے بعد تم عزیز کی عزت پر کیچڑ اچھالنے کی کبھی کوشش نہیں کرو گے۔ میں جا رہا ہوں اب میری طرف یا میرے خاندان کی طرف انگلی اٹھانے کی جراءت کبھی نہیں کرنا۔" یہ کہہ کر عزیز اپنی بیٹی سلیمہ کا ہاتھ پکڑ کر ہال سے باہر لے جانے لگا۔

"ٹھیرو۔!" ایک نسوانی آواز گونجی۔ سب کی نظریں آواز کی طرف اُٹھ گئیں دروازے پر شبنم کھڑی تھی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"اوہ تم ہو۔ تم۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تم نے شادی سے پہلے رشید کو جنم دیا۔"
عزیز نے طنزیہ لہجے میں شبنم سے کہا۔

شبنم عزیز اور سلیمہ کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ وہ عزیز کے سوال کا جواب دینے لگی۔

"ہاں میں رشید کی ماں ہوں۔ ماں۔ رشید کی گناہگار ہوں۔ میں نے اسے جنم دیتے ہی قتل کرانا چاہا اور عمر بھر اپنے گناہ پر پچھتاتی رہی اور خدا نے مجھے اس کی سزا بھی دے دی مجھے اولاد سے محروم رکھا گیا۔ یہ خدا کا قہر ہے کہ آج مجھے اپنا بیٹا مل گیا لیکن سب مجھ پر تھوک رہے ہیں نفرت کر رہے ہیں میرا بیٹا میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ سارا سماج مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے یہاں اس محفل میں بیٹھا ہر شخص میری حرکت پر ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتا ہے اور میں خود اپنے آپ سے نفرت کرتی ہوں۔ میں ایک ظالم عورت ہوں جس نے ایک معصوم جان کو دنیا میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے جنم دیا۔ میں نے گناہ کا مزا چکھ لیا اور مصیبتیں میرے بیٹے کو نصیب میں ملیں۔ یہ کیسا انصاف ہے۔؟ یہ کیسا سماج ہے۔؟ آج میرے بیٹے کی خواہش اس لئے ٹھکرائی جاتی ہے کیونکہ اس کو میں نے شادی سے پہلے جنم دیا۔ ہاں یہ گناہ ہے۔ لیکن یہ گناہ میں نے کیا ہے میرے بیٹے نے نہیں۔ اس کو سلیمہ سے شادی کرنے دو۔ عزیز۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ تم میرے بیٹے کی خواہش آج ٹھکرا نہیں سکتے۔ آج اسکے ساتھ اس کی گناہ گار ماں ہے۔ وہ ماں جس نے اسکو جنم دیتے ہی اسے مارنا چاہا اور آج اس کے مُنہ سے ماں کا لفظ سُننے کے لئے بے قرار ہے۔ آج میرا بیٹا شادی کرنا چاہتا ہے سلیمہ کے ساتھ اور اس کی آرزو ضرور پوری ہوگی۔ کوئی بھی طاقت اس شادی کو روک نہیں سکتی۔ عزیز میں جانتی ہوں کہ تم سلیمہ کو بلیک میل کر رہے ہو۔ جاؤ خوشی خوشی سلیمہ کو رشید سے شادی کرنے دو۔ آج میرے بیٹے کی خوشیوں پر ڈاکہ مت ڈالو۔ عزیز میں ایک بدنصیب ماں تمہارے سامنے بھیک مانگ رہی ہوں۔" شبنم دروازے پر کھڑی عزیز کے آگے عاجزی کرنے لگی۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔ مجھے تمہارے ساتھ کوئی سروکار۔ جمال اپنی طاقت دکھا کر زبردستی میری بیٹی کی شادی ایک آوارہ حرامی کے ساتھ کرانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر آج میں سلیمہ اور رشید کی شادی میں رکاوٹ بن جاؤں وہ تباہی مچائے گا۔ لیکن آج

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس بھری محفل میں میری بیٹی نے خود سب کے سامنے یہ شادی کرنے سے انکار کیا۔ اب کوئی میری بیٹی کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔ ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔" عزیز نے آنکھیں نکال کر شبنم سے کہا۔

"عزیز تم ایک ظالم باپ ہو۔ ایک ایسے باپ جو اپنی بیٹی کو بلیک میل کر رہا ہے آج سلیمہ جو کچھ بول رہی ہے وہ ڈر کی وجہ سے بول رہی ہے۔ یہ اسکے دل کی آواز نہیں بلکہ مجبوری ہے۔" شبنم نے کہا۔

عزیز کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔

جمال جو خاموشی سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا شبنم کی باتیں سن کر چونک پڑا۔

"سلیمہ تم خود بولو۔ تمہاری مجبوری کیا ہے۔ میں تم پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دوں گا اگر تمہارا باپ تمہیں بلیک میل کر رہا ہے بولو کونسی ایسی بات ہے جس کے لئے تم اتنی مجبور ہو رہی ہو۔ کل تک تم کسی بات سے نہیں ڈرتی تھیں آج تمہارے باپ نے تمہاری کونسی کمزور رگ پکڑ لی" جمال نے اس سے کہا۔

میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ "مجھے گھر لے جاؤ ورنہ میری ماں۔" سلیمہ چیخ اٹھی۔

"چلو جلدی کرو ہم یہاں سے جاتے ہیں۔" عزیز سلیمہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچنے لگا۔

"نہیں عزیز۔ نہیں۔ تم یہاں سے سلیمہ کو نہیں لے جاسکتے۔ آج یہاں سلیمہ اور رشید کی شادی ہوگی اور تم اس کو روک نہیں سکتے۔" شبنم نے کہا۔

"ہٹ جاؤ!" عزیز دھاڑا۔

"سلیمہ تم گھبراؤ مت۔ میں یہاں ہوں۔" شبنم کے پیچھے سے دروازے پر یہ آواز ابھری۔

"ماں!" سلیمہ چیخ اٹھی۔

سلیمہ کی ماں دروازے کی دہلیز پر نمودار ہوئی۔

عزیز میں نے کہا تھا کہ تم "اس سیلاب کو روک نہیں سکتے۔" سلیمہ کی ماں عزیز سے کہنے لگی۔ عزیز کے چہرے کا رنگ کالا پڑ گیا۔

"اس مرد نے اپنی بیوی کو رسیوں سے باندھ کر رکھا تھا اور اپنی بیٹی کو دھمکی دی تھی کہ

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اگر اس نے جمال کی محفل میں رشید کے ساتھ شادی کرنے سے انکار نہیں کیا تو وہ اس کی ماں کو مار ڈالے گا۔" شبنم جمال سے کہنے لگی۔

"ماں۔" سلیمہ بے اختیار اپنی ماں کی طرف لپکی اور ماں سلیمہ کی جانب دوڑنے لگی۔

عزیز کا دماغ چکرا گیا۔ اس نے جیب میں سے ریوالور نکالا۔ شبنم فوراً آگے بڑھ کر سلیمہ اور اس کی ماں کے آگے کھڑی ہو گئی۔

"دھائیں۔ دھائیں۔ دھائیں۔" فضا میں پستول کے گرجنے کی آوازیں گونجیں۔

عزیز نے انتہائی غصے کے عالم میں سلیمہ اور اس کی ماں پر گولیاں چلائیں تھیں لیکن تینوں گولیاں شبنم کے سینے کو چھلنی کر گئیں۔ فرش پر شبنم ڈھیر ہو گئی عزیز بھاگنے ہی والا تھا لیکن جمال کے مضبوط ہاتھوں نے اسے پکڑ لیا۔

"پولیس کو خبر دو اور اسکو تب تک باندھے رکھو۔" جمال نے پاس کھڑے ملازموں سے کہا۔

"آہ۔ آہ۔ اوہ۔ میرے بیٹے میرے رشید۔ آہ۔" شبنم سسکنے لگی۔ سب شبنم کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس کا سارا چہرہ زرد ہونے لگا۔

"رشید۔ رشید۔ میں مر رہی ہوں۔ آخری بار میرے قریب آجاؤ۔ مجھے معاف کر دو۔" وہ کہنے لگی۔

"آگے بڑھو رشید۔ شبنم کو سہارا دے دو۔ اگر مرنے والے کی آخری خواہش پوری نہیں ہوتی تو اس کی روح ہمیشہ بھٹکتی رہتی ہے۔" جمال نے رشید سے کہا۔

رشید شبنم کے قریب آگیا۔

شبنم نے خون میں لت پت اپنے دونوں ہاتھوں سے رشید کے چہرے کو پکڑ لیا۔

"میرے بیٹے میرے رشید۔ میں تمہاری گناہ گار ماں ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ معاف کر دو مجھے۔ میری روح سے ایک بھاری بوجھ ہٹ جائے گا۔" شبنم اپنی ٹوٹی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"مجھے تمہارا کوئی گلہ نہیں رہا ماں۔" رشید نے کہا۔

"جمال صاحب۔ جمال صاحب۔" شبنم نے جمال کو بلایا۔ جمال شبنم کے قریب آگیا۔

"جمال صاحب آپ نے میرے بیٹے کی خواہش پوری کرنے کے لئے بہت کچھ کیا آپ کے احسان کا احساس میری روح اپنے ساتھ ساتھ لے جائے گی۔ جب تک میرے جسم کی چند

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سانسیں ہیں اس خواب کو پورا کیجئے۔ رشید اور سلیمہ کا نکاح میرے سامنے پڑھوائیے۔" شبنم کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"آپکی خواہش ابھی پوری ہوگی۔" جمال نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"مولانا صاحب آپ فوراً نکاح پڑھنا شروع کیجئے۔" جمال نے مولانا سے کہا۔

"سلیمہ۔ سلیمہ۔ میری بیٹی۔" شبنم نے سلیمہ کو بلایا۔ سلیمہ شبنم کے قریب آگئی۔

"سلیمہ میرا بیٹا رشید تمہارا ہے۔ اس کو ہمیشہ پیار دینا۔ شادی کی اس مبارک گھڑی پر میرا تحفہ قبول کرلو۔" شبنم نے لرزتے ہاتھوں سے چمڑے کے ایک چھوٹے سے بیگ سے چند کاغذات نکالے اور انکو سلیمہ کے ہاتھوں میں تھمایا۔

"یہ کیا ہے ماں جی۔" سلیمہ نے اس سے پوچھا۔

"میں نے اپنی ساری جائیداد رشید کے نام کردی ہے۔" شبنم نے اس سے کہا اتنی دیر میں مولانا نے نکاح پڑھنا شروع کیا۔ رشید اور سلیمہ نے ایک دوسرے کے شریک حیات بننے کے اٹل فیصلے کو عملی صورت دیدی۔ مہر مقرر ہوا اور دونوں کی شادی ہوگئی۔ دلہا دلہن دونوں شبنم کے قریب آگئے۔

شبنم پتھرائی ہوئی آنکھوں سے رشید کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی مطمئین روح قفس عنصری سے پرواز ہوچکی تھی۔

جمال دور خاموش کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ شبنم نے کس طرح اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے گناہ کا بوجھ ہلکا کیا۔

اچانک رحیم اس ہال میں داخل ہوا اور مہمانوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا جمال کے قریب پہنچا۔

"جمال صاحب۔" رحیم نے اسے پکارا۔

"کیا بات ہے رحیم۔؟" جمال نے اس سے پوچھا۔

"ثریا نہیں آسکتی۔" اس نے جمال سے کہا۔

"کیوں کیا بات ہے۔؟" جمال نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ثریا کو پولیس نے سلام کے قتل کے کیس میں گرفتار کیا ہے۔" رحیم نے کہا جمال پر جیسے ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چودھواں باب

"ہاں میں نے خود سلام کا قتل کیا کیونکہ میں اس بوڑھے سے تنگ آچکی تھی۔ میں ایک جوان عورت تھی۔ اور مجھے صرف اس کی دولت اور اس کی جائیداد سے پیار تھا۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔ اسی نفرت نے مجھے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر مجبور کیا۔ اسکو قتل کرنے کے بعد میں نے چیخنے چلانے کا ڈرامہ رچایا تاکہ لوگ مجھے بے قصور کہیں۔ جج صاحب۔ آج میں اس بھری عدالت میں اقرار جرم کرتی ہوں۔ آج میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ انصاف کا قلم اٹھا کر مجھے پھانسی کی سزا سنا دیجئے۔ میں نے اتنی بے رحمی سے اپنے بوڑھے شوہر کا قتل کیا کہ جرم کی دنیا میں اسے ہمیشہ ایک لرزہ خیز قتل سمجھا جائے گا۔ اس بے رحمانہ جرم کی پاداش میں حضور سے پھانسی کی سزا مانگتی ہوں جج صاحب کبھی کبھی بے قصور لوگوں کو تختہ دار چڑھنے کا حکم ملتا ہے اور کبھی بڑے بے رحم مجرم صاف بچ نکلتے ہیں۔ میں اس لئے اپنے جرم کا اقرار کرتی ہوں تاکہ اس دنیا میں مجھے اپنے جرم کی سزا مل جائے۔ ہر جرم کی سزا اسی دنیا میں مل جانی چاہئیے ورنہ آخرت میں کرب ناک کی سزا ملتی ہے اگر آج مجھے اس دنیا میں اپنے گناہوں کی سزا مل گئی تو کل یوم آخرت میں میں اللہ سے رحم کی امید رکھوں گی۔ ممکن ہے جہنم کی آگ سے بچ جاؤں۔ جج صاحب آپ اس وقت اس مقام پر ہیں کہ آپ ایک مجرم کو اسکے گناہوں کی سزا دے کر اس کی روح کے بوجھ کو ہلکا کرسکتے ہیں۔ میں بھی اسی بات کی توقع رکھتی ہوں۔" ثریا نے بھری عدالت میں سلام کے قتل کا الزام اپنے سر لیا۔

آج عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب خاموشی سے ثُریا کا اقرار جرم سُن رہے تھے سلام کا قتل ایک معمہ بن چکا تھا۔ اس قتل نے سب کو چونکا دیا تھا۔ آج ثُریا کے اقبال جرم نے اس واقعے کی ساری نوعیت تبدیل کردی۔ پولیس کے افسر جو خود اس کیس کی تحقیقات کر رہے تھے خود اس غیر متوقع انکشاف پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہوں نے کبھی ثُریا پر شک نہیں کیا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھوں اسی طرح خون ہونا ایک انہونی بات تھی۔

عدالت کے ایک کونے میں جمال چپکے سے بیٹھا ثُریا کا اقرار جرم سُن رہا تھا۔ ثریا کی ایک ایک بات ان کے کانوں میں گرم سیسے کی طرح اتر رہی تھی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"کیا چاہتی ہے مجھ سے ثُریا۔؟ آج یہ کیا کر رہی ہے۔؟ کیوں میرا جرم اپنے سر پر لے رہی ہے۔؟ کیوں میرا جرم کبھی ثابت نہیں ہوسکتا تھا لیکن یہ ثُریا میرا جرم اپنے سر لے کر مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا رہی ہے۔" جمال سوچ رہا ہے۔

جج صاحب میں نے صرف سلام کے قتل کا جرم نہیں کیا ہے بلکہ میں نے اس سے پہلے بھی ایک قتل کیا ہے۔ اپنے عاشق کا قتل۔ میں سچ کہتی ہوں۔

جج صاحب کہ میں نے اپنے محبوب کو دولت کی خاطر مار دیا۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں دولت سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ وہ مجھ سے پیار کرتا تھا لیکن میں سونے اور جواہرات سے پیار کرتی تھی۔ میں نے اس معصوم آدمی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ میں ایک خونی ہوں جج صاحب۔ میں اس عدالت میں اس کا جرم اعتراف بھی کرتی ہوں جو میں نے آج سے سات سال پہلے کیا ہے جج صاحب میں سزا کی مستحق ہوں۔ سزا کی۔ بس ایک ہی سزا۔ پھانسی۔ جج صاحب میں جینا نہیں چاہتی مرنا چاہتی ہوں میں بھاری بوجھ سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پاؤں جس کے نتیجے میرا سارا وجود سیک رہا ہے۔" ثُریا جج سے کہہ رہی تھی۔

جج صاحب کا چہرہ ساکت تھا۔ وہ خاموشی سے ثُریا کا اقرار جرم قلمبند کر رہا تھا۔ عدالت میں موجود دوسرے وکلاء اور لوگ خاموشی سے ثُریا کی باتیں سن رہے تھے۔

جمال بے قرار ہو رہا تھا اس کا سارا وجود دوبارہ جلنے لگا۔ دماغ پھٹنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"آج ایک بار پھر ثریا مجھے شکست دینا چاہتی ہے۔ وہ ایک بار پھر جمال کو نیچا ثابت کرنا چاہتی ہے۔ ایک دفعہ اس نے جمال کو غربت کا احساس دلا کر نیچا دکھایا۔ آج وہی ثریا خود میرے کئے ہوئے جرموں کو اپنے سر پر لے کر دوبارہ مجھے شکست دینا چاہتی ہے۔ وہ خود پھانسی کے تختہ پر چڑھ کر میری غیرت اور میری خودی کا گلا گھوٹنا چاہتی ہے۔ جرم میں نے کیا ہے اور اسکی سزا وہ حاصل کر کے مجھے میری نظروں سے گرانا چاہتی ہے ثُریا کی زندگی کا صرف ایک مقصد ہے وہ ہے جمال کی ہستی کو مٹانا۔ جمال کو کچلنا اسے تباہ کرنا۔ جمال کی زندگی میں ہمیشہ آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھنا۔ پہلے اس نے ایک معصوم جمال کی زندگی میں آگ لگا دی۔ آج وہ میری طاقت کو نذر آتش کر رہی ہے۔ آج وہ جمال کے اندر کے وجود کو للکار رہی ہے۔"

جمال تڑپ رہا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"میں چاہتی ہوں کہ مجھے پھانسی دے کر میری لاش جھیل ڈل کے اس کنارے پر دفن کی جائے جہاں آج اس کے ایک ذی عزت جمال صاحب نے ایک بڑا ہوٹل تعمیر کیا ہے۔ یہ میری آخری خواہش ہے جج صاحب۔ میری سزا تحریر کرتے وقت میری آخری خواہش کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ ثُریا نے جج صاحب سے کہا۔

"او بجیکشن یور آنر۔" سرکاری وکیل نے ثریا کی چیخ کو میں ہی ٹوک دیا۔

"او بجیکشن اسٹینڈ۔" جج صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"ایک مجرم کو تو اقرار جرم کرنے کا پورا حق ہے لیکن ایک مجرم کو اپنے بارے میں سزا تجویز کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جس طرح اس ملزم نے بے رحمانہ انداز میں قتل کیا ہے۔ اس کے مطابق ملزمہ کو سزائے موت دینی چاہئیے اور یہ بات قانون کے قاعدے کے مطابق نہیں ہے کہ ایک مجرم کو اس کی خواہش کے مطابق کسی مخصوص جگہ دفن کیا جائے۔ قانون کے سامنے مجرم مجرم ہے اور اس کی ہر خواہش پوری کرنا قانون کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جمال صاحب ایک ذی عزت شہری ہے انہوں نے اس کی سیاست کو فروغ دینے میں ایک اہم حصہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے سیاحوں کی سہولیت کے لئے جھیل ڈل کے کنارے ایک شاندار فائیو اسٹار ہوٹل بنایا ہے اس ہوٹل کے خوبصورت لان کو ایک قبرستان بنایا نہیں جاسکتا۔ ملزمہ ثُریا نے آج اقرار جرم کرکے عقلمندی کا ثبوت دیا۔ اس کے سنگین جرم اپنی سزا آپ مقرر کر رہے ہیں ملزمہ کو اپنی خواہش کا اظہار کرکے ایک غیر معقول تجویز پیش کرکے عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہے۔ میں جج صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ ملزمہ کی سزا تحریر کرتے وقت اس کی آخری خواہش پر غور نہ کیا جائے۔" سرکاری وکیل نے نازک قانونی نقطے ابھارے۔

"جج صاحب نے سرکاری وکیل کے عذر سے سن کر کاغذ پر کچھ درج کیا۔

جج صاحب مجھے یقین ہے کہ جمال صاحب کو میری قبر کے لئے زمین کا ایک ٹکڑا دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا جمال صاحب اس وقت عدالت میں ہی موجود ہیں میں عدالت سے درخواست کرتی ہوں کہ ان سے انکی مرضی پوچھی جائے اگر انہیں کوئی اعتراض نہیں تو جج صاحب جس کاغذ پر آپ میرے لئے سزائے موت تحریر کر رہے ہیں اسی کاغذ پر میری قبر کی

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جگہ مقرر کی جائے ۔ مجھے یقین ہے کہ میری خواہش پوری کرنا کسی بھی طرح غیر قانونی نہیں ہوسکتا ہے ۔ یہ آپ کے اختیار میں جج صاحب ۔ ثریا نے کہا ۔

جج صاحب برابر خاموشی سے سرکاری وکیل اور ثُریا کی باتوں کو سن رہے تھے ثُریا کے خاموش ہونے کے بعد جج صاحب کے لب ہلے ۔

" عدالت نے مجرم کا اقبال جرم قلمبند کیا ہے ۔ ابھی تک ہم یہ فیصلہ نہیں کیا کہ مجرم کے لئے کونسی سزا تجویز کرلیں ۔ چونکہ یہ قتل کا ایک سنگین معاملہ ہے اور اس کے لئے رتیر پنسل کوڈ میں باضابطہ سزا مقرر ہے اس لئے ملزمہ کو کسی بھی سزا کے لئے تیار رہنا چاہئیے ۔ جہاں تک ملزمہ کی آخری خواہش کا تعلق ہے ۔ عدالت کو اس میں کوئی اعتراض نہیں اگر عدالت یہ جان لے کہ جمال صاحب اپنی زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملزمہ کے لئے مخصوص رکھ سکتے ہے کہ نہیں اس لئے میں جمال صاحب کو حکم دیتا ہوں کہ وہ گواہوں کے کٹہرے میں تشریف لاکر اپنی مرضی کا اظہار کریں ۔" جج صاحب نے اعلان کیا ۔

جمال اپنی جگہ سے اٹھا ۔ وہ آہستہ آہستہ گواہوں کے کٹہرے کی طرف بڑھنے لگا ساری عدالت پر سناٹا چھا گیا ۔ سب جمال کی طرف دیکھ رہے تھے ۔ جمال کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں ۔ چہرہ تمتمانے لگا ۔ وہ گواہوں کے کٹہرے میں پہونچ گیا وہ خاموش کھڑا جج صاحب کی طرف دیکھنے لگا ۔

" آپ نے سن لیا ہوگا کہ یہ ملزمہ چاہتی ہے کہ اگر اسے سزائے موت مل جائے تو اسے آپ کے ہوٹل کے باغیچہ میں جو جھیل کے کنارے پر ہے ایک زمین کا چھوٹا ٹکڑا دیا جائے جہاں اس کی لاش کو دفن کیا جاسکے عدالت آپ کی مرضی جاننا چاہتی ہے ۔" جج صاحب نے جمال سے کہا ۔

جمال اپنا داہنہ ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک انگلی سے سامنے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑی ثریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا ۔

" یہ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑی ثُریا دنیا کے سامنے خود کو مجرم ثابت کرکے مجھے سزا دے رہی ہے ۔ میرے جسم پر میری روح پر کوڑے برسا رہی ہے ۔ میرے وجود کو زخمی کر رہی ہے ۔ اس نے سر عام میرے کپڑے اتار کر میرے ننگے جسم پر تھوک دیا ۔ مجھے بے عزت

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کر دیا ۔ میرے جرم کو اپنے سر لیکر پھانسی کے تختے پر چڑھنا چاہتی ہے تاکہ وہ خود کو محبت کی دیوی ثابت کرلے تاکہ اسے جھیل ڈل کا وہ کنارہ مل جائے جہاں ہماری محبت پروان چڑھی ہے۔ آج جھیل ڈل کا وہ حصّہ ایک بھنور بن چکا ہے اور وہ اس بھنور میں پناہ لینا چاہتی ہے ۔ نہیں ۔ جج صاحب نہیں ۔ بھنور میری منزل ہے ۔ جھیل کا وہ کنارہ کبھی ہماری محبت کی پناگاہ تھی ۔ وہاں ہم نے محبت کا عظیم سرمایہ حاصل کیا تھا ۔ لیکن اسکے سامنے کھڑی ملزمہ نے اس سرمائے کو ڈاکوؤں کی طرح لوٹ لیا ۔ اور میں تنہا اس جگہ پر کھڑا سسکتا رہا ۔ وہ جگہ میری ہے صرف میری ۔ میں اس جگہ کو جرموں کا بھنور بنادوں یا محبت کی یادگار بناؤں یہ میری ایک اپنی مرضی ہے ۔ وہاں میں شاندار عمارتیں بناؤں یا اسے قبرستان میں تبدیل کروں اس کا حق بھی صرف مجھے ہے ۔ ثُریا اس جگہ کو کھوچکی ہے ۔ وہ بھنور اب ثریا کو پناہ نہیں دے سکتا ۔ ثریا ہار گئی ۔ وہ اب وہاں اپنی قبر حاصل کرکے اپنی شکست کو فتح میں تبدیل نہیں کر سکتی ۔ میں ثریا کو ایسا کبھی نہیں کرنے دوں گا ثریا وہ موقعہ کھوچکی ہے جب وہ محبت کے لئے جان دے کر امر ہوجاتی ۔ اب اسکے خون کے چھینٹے میری معصوم محبت کی دنیا پر کیچڑ کے چھینٹے ثابت ہونگے ۔ جج صاحب ثریا کی جگہ اس محبت کے بھنور سے باہر ہے ۔ ثُریا میرے جرموں کا الزام اپنے سر لے کر مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہے اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گا ۔ کل دنیا یہ نہیں کہتی چاہئیے کہ ثریا نے جمال کا جرم اپنے سر لیکر محبت کے لئے ایک قربانی دے دی ۔ کل جھیل کنارے ثریا کی قبر دیکھ کر کوئی اس پر محبت کے پھول نچھاور نہیں کرتا چاہے ۔ ثُریا کو اس دنیا میں جینا ہوگا ۔ دولت کے لئے ۔ سونے کے لئے ۔ ہیروں کے لئے اور جواہرات کے لئے تاکہ کل لوگ یہ جان لیں کہ ثریا دولت کی پجارن ہے ۔ محبت کی دیوی نہیں ۔" جمال نے بھری عدالت میں اپنے جرموں کا اعلان کیا ۔ جمال کی باتیں سن کر ساری عدالت چونک اٹھی ۔

"او ۔ بجیکشن مائی لارڈ ۔" سرکاری وکیل نے اچانک کھڑے ہوکر کہا ۔

"یس ۔" جج نے کہا ۔

میں جمال صاحب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔" سرکاری وکیل نے اجازت مانگی

"عدالت سرکاری وکیل کو سوالات پوچھنے کی اجازت دیتی ہے ۔" جج نے اعلان کیا ۔

"جمال صاحب آپ اس شہر کے ایک جانے پہچانے شریف آدمی ہیں ۔ آپ کو اس

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طرح ایک مجرم کی ذاتی زندگی میں اپنی ذات ملانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے اس سے آپ کی شرافت اور شہرت پر اثر پڑے گا۔ آپ نے جو بیان ابھی عدالت کے سامنے دیا اس میں جذبات کا زیادہ دخل ہے اور اس کا غلط مطلب بھی لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ سلام کے قتل کا معمہ حل ہوچکا ہے ملزمہ نے اقبال جرم کرلیا اور اب صرف ایک نقطہ تھا کہ سزائے موت ہونے کی صورت میں اسے آپکے ہوٹل کے لان کا ایک حصہ قبر کے لئے مل سکتا ہے کہ نہیں چونکہ آپ نے بالکل ،نکار کیا ہم یہی سمجھ سکتے کہ آپ اپنے فائیو اسٹار ہوٹل کو مجرموں کی لاشوں کا قبرستان بنانا پسند نہیں کرتے کیونکہ اس طرح نہ صرف آپ کی شان پر اثر پڑسکتا ہے بلکہ آپ کے کروڑوں کا کاروبار بھی متاثر ہوگا۔ آپ نے ایک ملزمہ کی غیر معقول خواہش ٹھکرا کر اچھا کیا۔ میں خود عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس بات کو قلمبند کرلے کہ جمال نے جرم کی لاش اپنے ہوٹل کے خوبصورت لان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی اور یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ جمال صاحب کو اس کیس میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کی جائے میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ ملزمہ کا اقبال جرم سُن کر اسے سزائے موت دے کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اور میں جمال صاحب آپ سے بھی کہتا ہوں کہ آپ اپنے بیان کو اچھے ڈھنگ سے کہئیے تاکہ کوئی آپ کو غلط نہ سمجھے۔ آپ صاف صاف الفاظ میں صرف یہ کہئیے کہ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ نہ آپ کسی جرم کی لاش کو اپنی زمین میں دفن کرانا پسند کرتے ہیں۔ بس یہ دو باتیں کہنے پر آپ کو کوئی غلط نہیں سمجھے گا" سرکاری وکیل نے جمال کا بیان ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔

جمال خاموشی سے سرکاری وکیل کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں جج صاحب۔ جمال کا بیان غلط نہ سمجھا جائے۔ میں نے اقرار جرم کیا ہے اور میرے لئے سزا تجویز کی جائے ثریا نے جلدی کہا۔

جمال ابھی گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ثُریا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کچھ اور کہنا ہے" جج صاحب نے جمال سے کہا۔

"جی ہاں۔ مائی لارڈ۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ ثُریا کی سزا موت نہیں بلکہ زندگی ہے۔ اسکی مردہ لاش کسی قبر میں نہیں رہنی چاہئیے بلکہ اسکی زندہ لاش سونے اور چاندی کی چار دیواریوں میں

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سڑنی چاہیئے اس کی سزا یہی ہے کہ اسے بے شمار دولت دی جائے۔ یہ عدالت اسے ایسی سزا نہیں دے سکتی اسے اگر کوئی یہ سزا دے سکتا ہے تو وہ صرف جمال ہے۔ جمال۔" یہ کہہ کر جمال نے اپنی جیب سے کاغذات کا ایک موٹا بنڈل نکالا۔

"جج صاحب ان کاغذات میں میں نے ثریا کی سزا تجویز کی ہے میں نے وہ فائیو اسٹار ہوٹل۔ اپنی کروڑوں کی دولت اپنی فیکٹریاں۔ اپنا بینک بیلنس اور ثریا کے مقتول شوہر سلام کی وہ دولت جو ثریا کو ابھی تک معلوم نہیں سب ثریا کے نام کی ہے۔ ثریا کی سزا یہی ہے۔ میں نے صرف اپنی قبر کے لئے جھیل ڈل کے کنارے کی زمین منتخب کی ہے۔ وہاں صرف میری لاش کو دفنایا جائے گا۔ وہ میرا حق ہے اس کے لئے مجھے کسی کی درخواست کی ضرورت نہیں۔ کسی کی زمین کا ٹکڑا نہیں مانگا ہے۔

جج صاحب میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ سلام کے جسم کے ٹکڑے میں نے کئے میں نے صرف میں نے۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔ اس نے میری ماں کو ماردیا اور کسی نے اسے سزا نہ دی۔ میں نے اسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ جس کلہاڑی سے میں نے سلام کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے میں وہ کلہاڑی عدالت میں لایا ہوں۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آج عدالت میں ثریا میرے جرموں کو اپنے ذمہ لے کر مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرے گی۔ جج صاحب میں نے قتل کے علاوہ ہزاروں اور لاکھوں جرم کئے ہیں۔ ہزاروں مجرموں کو بلیک میل کیا ہے۔ میں عدالت کو وہ تمام ثبوت پیش کررہا ہوں جو ہزاروں آدمیوں کے چہروں پر چڑھے شرافت کے پردوں کو ہٹا دے گی۔ میں نے بھی وہی پردہ پہن رکھا تھا۔ لیکن آج مجھے سامنے آنا پڑا میں نے قانون کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ میں اپنی غیرت اور خودی کے آگے جھک گیا۔ میں ایک ایسی عورت کی قربانی برداشت نہیں کرسکا جو دنیا کے بازار میں کب کی بک چکی ہے۔ میں ایک بار پھر ثریا کی محبت کا جھوٹا مظاہرہ نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ نہیں۔ جج صاحب۔ مجرم میں ہوں اور سزا مجھے دیجئے۔ یہ میرے تمام جرموں کی تفصیل ہے۔" جمال نے جج کے سامنے ایک اور کاغذات کا بنڈل پیش کیا۔

عدالت میں موجود سب لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمال کیطرف دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ جمال صاحب سے کہہ رہا تھا۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"جج صاحب جب تک لوگ دولت کی عبادت کرتے رہیں گے اس دنیا کا ہر معصوم شخص جمال بن جائے گا۔"

عدالت نے ثُریا کو بَری کر دیا۔ جمال کے ثبوتوں نے ایک تہلکہ مچایا۔ شہر کے اہم لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ امکار ناتھ کو معطل کیا گیا۔ کچھ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے جمال کو باضابطہ سلام کے قتل میں ملوث پایا گیا۔ اسے سزائے موت دی گئی۔

جمال کو اسی جگہ دفنایا گیا جس کو بھنور کا نام دیا تھا۔ محبت کے بھنور کا نام۔ جمال کی منزل یہی بھنور تھی۔ بھنور کی حسین موجیں جھیل ڈل کی نیلی لہریں اپنے شفاف ہونٹوں سے جمال کی قبر کو چوم رہی تھیں۔

جمال نے محبت کو امر کر دیا۔

رشید اور سلیمہ ہر صبح جمال کی قبر پر حاضری دے کر محبت اور عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ اور ہر شام محبت کی شمع روشن کرتے ہیں۔ ثُریا نے جمال کی سزا منظور کی اس نے زندہ رہنے کا فیصلہ کیا تاکہ جمال کی روح کو تسکین پہونچے۔ وہ اپنے آنسوؤں سے جمال کی قبر کو نہلاتی رہی۔

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

J&K Bank

your hotline to prosperity

From a small entrepreneur to the large industrialist;
for the farmer who tills the land,
and the housewife who tends her family
The Jammu & Kashmir Bank
has Schemes to suit banking needs of all.

Over 370 branches at your beck and call.

JAMMU AND KASHMIR BANK LTD.

Come to expect the best

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

If you get to think that mountains are the beginning and the end of all natural scenery set foot in
GONDOLA
and
tread on air,
for a round trip
Gulmarg -Kongdori-Gulmarg
just for RS:100/-
Friday & Thursday Closed

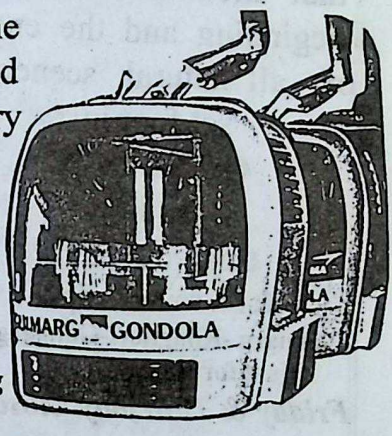

GULMARG GONDOLA
A unit of J & K State Cable Car Corporation Ltd.

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

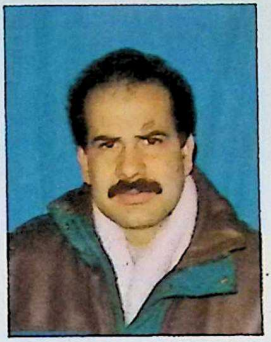

فاروق رینزو برصغیر کے جانے پہچانے ناول نگاروں کی صف میں شامل ہیں۔ سیریل دور درشن پر بہت دیر تک چھائے رہے۔ ان کی پہلی کتاب "ڈوبتے کنارے" ۱۹۸۰ میں منظرِ عام پر آئی اور پھر ان کی لکھی ہوئی ناول "زخموں کی سالگرہ" نے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچایا۔ رینزو صاحب نہ صرف عالمی اُردو کانفرنس کے کنوینر ہیں بلکہ مختلف ممالک میں ان کو خصوصی طور پر اُردو کانفرنس میں شرکت کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ رینزو صاحب کے ڈرامے اور ان کی مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ڈوبتے کنارے، گرتی بُلندیاں انقلاب کا شہید، اور جہلم بہتا رہا، سکون، زخموں کی سالگرہ، درد کا غرور اور برف کے پھول

آئی۔ایس۔بی۔این : 81-86592-03-2

ویلی بک ہاؤس

یونیورسٹی روڈ۔ حضرت بل

سرینگر۔ (کشمیر) ۱۹۰۰۰۶

Dr. Khwaja Farooq Renzu Shah Collection, Srinagar